شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مومن
نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی (اقبال)



محمد جمیل الدین صدیقی سپرنٹنڈنٹ ہائیکورٹ اے پی حیدرآباد
(ریٹائیرڈ)

ملنے کے پتے صفحہ آخر پر

ہدیہ
4/=
چار روپے

رحمن اسلامک پبلشیر
بی بی بازار نزد کوٹلہ عالیجاہ حیدرآباد
منور کا تنبج H. No. 23-1-525

ار اول
۱۴۰۸
ایک ہزار

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۝

فلسفۂ شہادتِ عظمیٰ

امام حسینؓ عالی مقام اور علامہ اقبال

علامہ اقبال نے اپنی موتیوں سے بھری کتاب "رموزِ بیخودی" میں "در معنی حریت اسلامیہ
سرِ حادثۂ کربلا" کے عنوان سے حادثۂ کربلا اور امام ذی وقار و ذیشان حضرت امام حسینؓ عالی مقام
مقامات اعلیٰ یقین محکم کردار مکمل ایمانِ کامل کی انتہائی بلندیوں آپ کی شہادت کی تاقیامت۔
ت محمدی کے لئے اہمیت، فلسفہ "لا ملوکیت اِستحکام" "فلسفہ آزادی و غلامی" فلسفہ علم و عشق، فلسفہ
ی و شہادت، فلسفہ خیر و شر پر (۳۹) اشعار لکھنے کی سعادت حاصل کی ہے۔ ان میں کا ہر شعر ایک
دریا بلکہ سمندر اپنے میں سمایا ہوا ہے بعض مصرع تو ایسے ہیں کہ سمندر کے سمندر کو گویا علامہ
قبال نے کوزہ میں بند کر دیا ہے۔

ذیشان و ذی وقار کی کٹھن منزلہ کردار بلند، اخلاق کامل، استقلال بے نظیر، ایمان اعلیٰ کی عمارت

آخر اس شان و شوکت و عظمتِ لاجواب کے وجوہ کیا تھے؟

جب ہم کسی انتہائی بلند فلک رسا حسین پائیدار عمارت کو دیکھتے ہیں جو آسمان سے باتیں
کر رہی ہوتی ہے تو اس کو حیرت و استعجاب سے دیکھتے ہی رہ جاتے ہیں لیکن صاحب فہم اور صاحب
ادراک حقیقت کا ادراک کر لیتے ہیں۔ ان کی نگاہوں اور توجہ کا مرکز اس عظیم الشان عمارت
کی بنیاد ہو جاتا ہے ان کے ذہن میں آتا ہے کہ جب یہ عمارت اس قدر بلند پائیدار اور مضبوط ہے
تو اس عمارت کا پایہ کس قدر عمیق گہرا مضبوط اور ٹھوس ہو گا جو اس قدر بلند و بالا مستحکم بھاری
عمارت کو سنبھالا ہوا ہے۔ علامہ اقبال اس حقیقت کو اس طرح آشکار فرماتے ہیں۔

آں امام عاشقاں پور بتولؓ ؛ سروِ آزادے ز بستانِ رسولؐ
اللہ اللہ بائے بسم اللہ پدر ؛ معنیٔ ذبح عظیم آمد پسر

ترجمہ و مطلب :۔ پہلے شعر کے پہلے مصرعے میں علامہ اقبال کہہ رہے ہیں کہ اللہ کے عاشقوں امام عالی مقام حضرت حسینؓ کے مقامات اعلیٰ کے کیا کہنے کہ آپ سیدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہراؓ کے فرزند ہیں کون نہیں جانتا کہ پہلا مکتب ماں کا آغوش ہوتا ہے۔ اس قدر بلند مکتب میں امام ذیشان نے تربیت کے کس قدر قابل رشک زینے طئے کئے ہوں گے۔ ابھی پہلے شعر کے مصرع اول ہی بحث ہے جب تک مصرع اول کا مطلب مکمل نہ ہوجائے مصرع ثانی تک ہم کیسے پہونچیں مگر مختصرا سرسری ہی سہی کہتے کیوں نہ آگے بڑھیں تفصیل سے بعد میں بیان کریں علامہ امام حسینؓ کے مقامات اعلیٰ و ترتیب کو ظاہر کرنے کے لئے آپ کو خاتون جنتؓ کا فرزند اور رسول خداؐ کا نواسہ و لخت جگر ہوئے حضرت علیؓ جو ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے ہیں اور جن لئے قرآن میں آیا ہے کہ اسماعیلؑ کو جب حضرت ابراہیمؑ نے اپنے خواب کی بناء پر واضح رہے کہ انبیاء کا خواب بمنزلہ وحی ہوتا ہے ذبح کرنا چاہا تو اللہ پاک فرماتے ہیں وَفَدَيْنَاهُ بِذِبْحٍ عَظِيمٍ (۳۷ : ۱۰۷) یعنی ہم نے ایک بڑا ذبیحہ اس کے عوض دے دیا۔ اس پر بحث آگے کی جائے گی کہ عشق کامل کا آغاز جو حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ سے ہوا تھا اس عشق کامل کا خاتمہ طور پر حضرت امام عالی مقام نے حق ادا فرمایا۔ شعر اولین کے مصرع اولین کہ "آں امام عاشقاں پور بتولؓ" کی تفصیل کو پہلے مکمل کرلیں کہ اس ایک مصرع میں علامہ نے بہت کچھ کہہ دیا ہے پہلے ہم خیر النساء کے مقامات اعلیٰ کو پہنچاننے کے لئے آپ کے قدموں تک پہونچنے کی کوشش کیوں نہ کریں۔ رموز بیخودی میں حضرت سیدہ النساء فاطمۃ الزہراؓ کی تعریف میں علامہ اقبال اسطرح رطب اللسان ہونے سعادت و عزت حاصل کررہے ہیں۔

امام ذیشان کی والدہ محترمہ اور پدر بزرگ کی شان اعلیٰ

علامہ اقبال "رموز بیخودی" میں سیدہ النساء فاطمۃ الزہراؓ والدہ ماجدہ امام حسینؓ اور پدر محترم حضرت علیؓ مشکل کشا شیر خدا کے مقامات اعلیٰ کو اس طرح ظاہر کرنے کی عزت و سعادت حاصل کررہے ہیں۔

۱۔ مریمؑ از یک نسبت عیسیٰؑ عزیز ؛ از سہ نسبت حضرت زہراؓ عزیز

۲۔ نور چشم رحمۃ للعالمین ؛ آں امام اولین و آخرین

(۳) آنکہ جاں در پیکرِ گیتی دمید ؛ روزگارِ تازہ آئین آفرید

ترجمہ :- علامہ اقبال فرماتے ہیں کہ حضرت بی بی مریمؑ صرف ایک نسبت رکھنے کی وجہ سے سب کو عزیز ہیں اور وہ ایک نسبت یہ ہے کہ آپ حضرت عیسیٰؑ جیسے جلیل القدر پیغمبر کی ماں ہیں جس کی وجہ سے سب کیلئے باعث عزت اور فضیلت بن گئی۔ حضرت زہرا سیدۃ النساءؑ کا جہاں تک سوال ہے آپ تو تین نسبتوں کے باعث سب کو عزیز اور صاحب فضیلت قابلِ عزت اور لائق احترام بن گئی ہیں پہلی نسبت تو یہ ہے کہ آپ رحمۃ للعالمینؐ کا جو کہ امام اولین و امام آخرین ہیں اور تخلیقِ کائنات کا باعث ہیں اور دنیا کا قیام جس متبرک ہستی کی ذات اور آئین سے وابستہ ہے کی دخترِ نیک اختر یعنی محمد مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے آنکھوں کی روشنی و ٹھنڈک ہیں۔ آیئے اب اور دو آپ کی فضیلتیں معلوم کریں

۱	بانوئے آں تاجدارِ ہل اتیٰ	مرتضیٰ مشکل کشا شیرِ خدا
۲	پادشاہ و کلبۂ ایوانِ او	یک حسام و یک زرہ سامانِ او
۳	نوری و ہم آتشی فرمانبرش	گم رضایش در رضائے شوہرش
۴	بہرِ محتاجی دلش آں گونہ سوخت	با یہودے چادرِ خود را فروخت
۵	آں ادب پروردۂ صبر و رضا	آسیا گرداں و لب قرآں سرا
۶	گریہ ہائے او ز بالیں بے نیاز	گوہر افشاندے بہ اماں نماز
۷	اشکِ او برچید جبریل از زمیں	ہمچو شبنم ریخت بر عرشِ بریں

ترجمہ و مطلب :- مندرجہ بالا اشعار سے ایک جانب والدہ محترمہ امام حسینؑ عالیمقام حضرت فاطمۃ الزہراؓ کی اس دوسری بزرگی فضیلت اور ناقابلِ قیاس عظمت کا اظہار اس نسبت سے ہو رہا ہے کہ آپ حضرت علیؓ جیسے اللہ کے پسندیدہ مقبول بہادر دلیر بزرگ ہستی کی اہلیہ محترمہ ہیں یعنی وہ شیرِ خدا علی مرتضیٰؓ جو صفات بہادری کو اپنا کے مخلوقِ خدا کی مشکل کشائی و حاجت روائی کے لئے ہی گویا عالمِ وجود میں آئے تھے باوجود اس کے کہ دنیا آپ کے قدموں میں لوٹنے باندی بننے کو تیار تھی لیکن آپ اس پر غالب پاتے ہوئے تقویٰ کی بلندی کی انتہا پر پہنچ کر دنیا سے اس قدر کنارہ کش ہو چکے تھے کہ اس عظیم بادشاہ کا محل ایک چھوٹی سی جھونپڑی تھی اور اس شان بادشاہ کا خزانہ بیش بہا صرف ایک تلوار اور ایک زرہ تھی۔

علامہ اقبال نے سورہ قل ہو اللہ احدؐ (سورہ اخلاص) کی تفسیر جو رموزِ بیخودی میں

لکھی ہے اس میں آیت "اللہ الصمد" کی تفسیر کے دوسرے بند میں حضرت علیؓ شیر خدا کی شجا
کا اس طرح ذکر کیا ہے اس کا اظہار بھی یہاں بے محل نہ ہوگا فرماتے ہیں۔

چوں علیؓ درساز با نانِ شعیر ؛ گردنِ مرحب شکن خیبر بگیر

حضرت علیؓ جن کی غذا جو کی سوکھی روٹی تھی کس طرح جنگ خیبر میں مرحب جیسے پہاڑ نما پہلوان
مقابلہ فرمایا اور اس کی گردن اڑادی اس قوت کا راز علامہ اقبال فرماتے ہیں کہ آپ کا "اللہ
کی شان بے نیازی میں گم ہوجانا تھا اس لئے اللہ کی ذات سے راست قوت آپ کو حاصل ہ
— چلتے ہیں پھر اپنے متن کی طرف کہ حضرت علیؓ بلاشبہ بادشاہِ دین و دنیا تھے مگر فقر و ف
اپنالیا تھا۔ حضرت خاتون جنت سیدۃ النساءؓ کی عظمت کے کیا کہنے کہ باوجود پوری کائنات
مطیع و فرمانبردار تھی اس قدر مقتدر اعلیٰ ہونے پر بھی آپ اپنے شوہر کی رضا میں گم تھیں
اپنے اس شوہر کے ہم خیال تھیں جس نے دنیا کی تمام آسائشوں کو ٹھوکر مار کر فقر و فاقہ کو صرف
اور رضا الٰہی کیلئے شیوہ حیات بنالیا تھا آپ بھی اس معاملہ میں بخوبی شوہر کے ہم خیال بن کر ہم
اللہ اکبر! جو دوسخا انسانی ہمدردی غریبوں مصیبت زدہ انسانوں کے لئے دل میں تڑپ
حال تھا کہ جب ایک مصیبت زدہ انسان آپ سے طالبِ امداد ہوا تو آپ سے اس کی م
دیکھی نہ گئی اللہ کے بندے کے سوال کو رد کرنا آپ نے پسند نہ فرمایا آپ نے اپنی چادر
یہودی کے ہاتھ فروخت فرماکے اس مصیبت زدہ کی تکلیف دور فرما کے خوشنودی بلندی تو
حاصل فرمائی۔ سبحان اللہ! صبر و رضا کے آغوش میں پرورش پائی ہوئی اس عظیم ال
ہستی جو جنت کی تمام عورتوں کی مخدومہ و سردار ہیں کا حال یہ ہے کہ چکی پیستے پیستے
کے مبارک نورانی ہتھیلیوں میں گٹھے پڑ گئے ہیں ہاتھ چکی پیسنے میں منہمک ہیں تو مبارک لب
قرآن خوانی میں مصروف — چھٹے شعر میں علامہ اقبال اماموں کے امام حضرت حسینؓ عالی مق
والدہ محترمہ کی عبادت کا انداز بیان کر رہے ہیں کہ جب آپ بغرض نماز اللہ بے نیاز کے د
میں کھڑی ہوکر مصروف نماز ہوجاتی ہیں تو دنیا و مافیہا سے بالکل بے خبر و بے نیاز ہوجاتی
حضوری قلب رقت قلب کا یہ حال ہوتا ہے کہ عشقِ الٰہی میں آنسوؤں کی بارش سے جائے
فیضیاب ہونے لگتی ہے یہ حال دیکھ کر حضرت جبرئیل امینؑ ان تمام آنسوؤں کو جو گوہر آبدار
زیادہ چمکدار اور اصلی موتی سے زیادہ قیمتی و بیش بہا ہیں بصد ادب نہایت ہی احتیاط
اٹھا لیتے اور عرش بریں پر پہنچ کر اللہ پاک کے دربارِ عالی میں یہ کہتے ہوئے پیش فرماتے ہیں کہ

"اے رب جلیل! یہ تیرے محبوب پیغمبر محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوب بیٹی کے وہ انمول گوہر بیش بہا ہیں جو تیرے عشق کی انتہا میں تجھے بطور نذرانہ پیش کئے گئے ہیں پھر بقول علامہ اقبال کے شان کریمی نے ان عشق کے آنسوؤں کو موتی سے زاید بیش بہا سمجھ کر کس قدر انداز رحمت سے قبول فرمائے ہوں گے۔

جیسا کہ علامہ اقبال نے کہا ہے کہ سیدۃ النساءؓ کو تین نسبتوں نے سب کا عزیز متاع بنادیا اور فضیلت دی ہے دو وجوہ تو بیان کئے جاچکے کہ پہلی فضیلت رحمت اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی دختر ہونے سے آپ کو حاصل ہوئی دوسری فضیلت آپ کو حضرت علیؓ شیر خدا جیسی بلند المرتبت ہستی کی زوجہ محترمہ ہونے سے حاصل ہوئی اس سلسلہ میں خود سیدۃ النساء کا ذاتی کردار و مقام بلند بھی ظاہر کیا گیا۔ مگر حکمۃ حد تک چونکہ حقیقی مقام کا احاطہ کرنا قلم و زبان کے بس کا نہیں اب آپ کو تیسری فضیلت کا کیا سبب ہے۔ اس کو علامہ اقبال اسطرح عرض کرنے کی سعادت و عزت حاصل کرتے ہیں۔

۱۔ مادر آں مرکز پرکار عشق	؛ مادر آں کارواں سالار عشق
۲۔ آں یکے شمع شبستان حرم	؛ حافظ جمعیت خیر الامم
۳۔ تا نشیند آتش پیکار و کیں	؛ پشت پا زد بر سر تاج و نگیں
۴۔ واں دگر مولائے ابرار جہاں	؛ قوت بازوئے احرار جہاں
۵۔ در نوائے زندگی سوز از حسینؓ	؛ اہل حق حریت آموز از حسینؓ
۶۔ سیرت فرزند ہا از امہات	؛ جوہر صدق و صفا از امہات
۷۔ مزرع تسلیم را حاصل بتولؓ	؛ مادراں را اسوۂ کامل بتولؓ

ترجمہ و مطلب :- علامہ اقبال اب بہت ہی اہم نقاط بلکہ فلسفہ فرزند و مادر پر مندرجہ بالا اشعار میں لب کشائی کر رہے ہیں اشعار (۱ تا ۵) میں تیسری وجہ سیدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہراؓ کی عظمت و بندگی کی یہ بتا رہے ہیں کہ آپؓ دو بہت بڑی ایسی ہستیوں یعنی امام حسنؓ اور امام حسینؓ کی ماں ہیں جس کی بنا پر بھی آپ کی فضیلت بندگی اور عظمت کا مینار بے انتہا بلند ہو گیا ہے۔ امام حسنؓ اور امام حسینؓ دونوں کے بارے میں علامہ فرماتے ہیں یہ دونوں پرکار عشق کے مرکز ہیں اور عشق کے کارواں کے رہبر رہنما سالار ہیں اس وقت ہم عشق کی بحث میں نہیں جائیں گے چونکہ ہمیں فلسفہ شہادت امام حسینؓ میں علم و عشق اور عمل پر تفصیلی بحث کرنی ہے۔ تو ہاں علامہ اقبال حضرت فاطمہؓ کے ہر دو فرزندوں کے تعلق سے فرماتے ہیں کہ ایک فرزند اکبر یعنی امام حسنؓ تو شبستان حرم کی شمع ہیں اور اپنے نانا محترم کی امت مسلمہ کی حفاظت فرمانے والے ہیں آپ نے اس مقصد

اعلیٰ و عظیم کی خاطر کہ آپ کے پیارے نانا ؐ کی امت مسلمہ جنگ کی آگ میں کود جائے آپ نے ت
تاج کو ٹھوکر مار دی بلکہ اپنے نانا کی امت کو آتش جنگ سے بچا کر ایک ناقابل فراموش عظیم
انجام دیا تو دوسرے فرزند یعنی امام حسینؑ جو نیکو کاروں، پرہیزگاروں اور اولیا اللہ کے مو
سردار ہیں اور حریت پسندوں کے قبلہ ہیں زندگی کی حقیقت اور زندگی کے سوز ت
ہی سے واقفیت حاصل کی جا سکتی ہے تمام اہل حق کو حریت کا سبق سیکھنا ہوتا ہے وہ سینہ
ہی سے سیکھتے ہیں ایسے دو بلند المرتبت فرزندوں کی ماں ہونا حضرت خاتون جنت کے لئے
نسبت فضیلت ہے مگر اس کے ساتھ ہی علامہ اقبالؒ اور ساتویں اشعار میں بہت بڑ
حقیقت کو آشکارا فرما رہے ہیں کہ فرزندوں کی سیرت و کردار کو بنانے کا کام ماؤں کا ہ
جو جوہر صداقت سچائی فرزندوں میں پیدا ہوتی ہے وہ صرف ماؤں کی تربیت کا نتیجہ ہو
ہے۔ جہاں مائیں اپنے بچوں کے مقامات بلند پہ پہنچ جانے کی وجہ سے فضیلت پاتی ہ
کی اصل وجہ فضیلت یہ ہے کہ انھوں نے فرزندوں کی تربیت کی اور ان کو اس قدر اعلیٰ
پر پہنچایا یہی وجہ ہے کہ وہ فضیلت کی مستحق ہوئیں ۔ علامہ اقبال تمام ماؤں سے کہتے
تربیت اولاد کے معاملے میں وہ حضرت بتولؓ کی پیروی کریں تاکہ قوم کا عروج ممکن ہ
علامہ اقبال والدہ محترمہ امام حسینؑ کے مقامات اعلیٰ بیان کرنے سے اپنے آپ کو قا
پا کر کہتے ہیں ۔

رشتۂ آئینِ حق زنجیرِ پاست　؛　پاسِ فرمانِ جنابِ مصطفےٰ ؐ است
ورنہ گردِ تربتش گردیدمے　؛　سجدہ ہا بر خاکِ او پاشیدمے

علامہ اقبال کہتے ہیں کہ امام حسینؓ عالی مقام کی والدہ محترمہ فاطمۃ الزہراؓ کے مقامات ا
بلند ہیں کہ بیان نہیں کر سکتا شریعت کی زنجیر میرے پاؤں میں ہے اور فرمان جناب
ہے کہ احتراماً بھی نہ قبر کو سجدہ کیا جا سکتا ہے اور نہ طواف ۔ اگر شریعت اجازت دیتی
حضرت فاطمہؓ کی تربت کا طواف کرتا اور اس پر کثرت سے سجدوں کو نچھاور کر دیتا اور بارگا
میں حاضر ہو کر سجدوں کا نذرانہ پیش کرتا ۔

بقول حفیظ جالندھری اللہ اکبر [illegible]

[illegible]

[illegible]

حضرت حسینؓ امام عالیمقام اور
آپ کے نانا جلیل القدر صلی اللہ علیہ وسلم

ہر دو شہزادوں امام حسنؓ و امام حسینؓ کے مقامات کی بلندی کی انتہا کیا ہو گی جو خاندان نبوت کے چشم چراغ ہوں زمانہ شیرخواری سے بشر کامل نبی آخرالزماںؐ کے سینہ نبوت پہ لوٹ رہے ہوں۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاوں کا مرکز ہوں۔ ان صاحب نصیب فرزندوں کے معصوم ہونٹوں کو وہ مبارک و متبرک ہونٹ بوسہ دے رہے اور چوم رہے ہیں جو شب معراج میں راست ذات باری سے شرف تکلم حاصل فرما کے کائنات کے لئے لائق رشک بن گئے ان ہر دو شہزادوں کے لئے اعزازات کی کمی ہی کیا ہے جیسا کہ علامہ اقبال نے حضرت علامہ شاہ کے ظاہر میں لکھا ہے ۔

بہر آں شہزادۂ خیر الملل ؎ دوش ختم المرسلینؐ نعم الجمل

ترجمہ و مطلب:۔ بہترین امت اور ملت کے دونوں شہزادوں حضرت امام حسنؓ و حضرت امام حسینؓ کے مقامات اعلیٰ کا کوئی ٹھکانہ بھی ہے کہ ختم المرسلینؐ کے کندھے مبارک ہیں اور آپ دونوں سوار ہیں۔ ایک صحابی حضرت یعلی بن مرہؓ نے یہ عالم دیکھا تو اس منظر سے اس قدر متاثر ہوئے کہ بے اختیار چیخ اٹھے کہ اے صاحبزادو! تم دونوں کی خوش نصیبی اور خوش بختی کی انتہا بھی ہے کہ کس کے دوش مبارک پر سوار ہو یہ سن کر آقا کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

" نعم الجمل جملکما و نعم العدلان انتما "

عدلان ان دو سواریوں کو کہتے ہیں جو کجاوے میں آمنے سامنے بیٹھی ہیں تاکہ وزن برابر رہے تو ہاں حضور انورصلعم نے فرمایا (اے میرے عزیز بچو!) تمہارا دونوں کا اونٹ بہترین اونٹ ہے اور تم دونوں بہترین سوار ہو "

ہر شخص جانتا اور مانتا ہے کہ جو چیز نور کے قریب رہتی ہے وہ نور سے منور ہو جاتی ہے اور جو چیز عطر کے قریب رہتی ہے وہ معطر ہو جاتی ہے جب نور اولین رسالت کے نور کامل صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ قربت یہ صحبت نے آپ دونوں شہزادوں کو کسقدر فیضیاب کیا ہو گا۔ پھر

دختر رسول صلعم حضرۃ بتول رض کی تربیت شیر خدا حضرت علی رض کی تربیت پر نگرانی نے امام ذی‌شان کو کس قدر مقامات بلند پر پہنچا دیا ہوگا اس لئے واقعہ کربلا میں علامہ اقبال امام عالیمقام کے کے بارے میں فرماتے ہیں۔

درمیان اُمت آں کیواں جناب ؛ ہمچو حرف قل ہو اللہ در کتاب

ترجمہ :۔ امام ذیشان حضرت حسین رض کا امت محمدی ﷺ میں وہی مقام و مرتبہ ہے جیسا کہ قل ہو اللہ (سورہ اخلاص) کا مقام قرآن مجید میں ہے۔

واقعہ شہادت امام حسینؓ بظاہر کیا ہے؟

بلحاظ حقائق ہے کتنا عمیق!

امام عالی مقام کے والدین کے مقامات اعلیٰ جو ناقابل قیاس ہیں ظاہر کیے گئے اور تربیت اعلیٰ نے آپ کو کس قدر بلند مقامات پر فائز فرمایا بیان کیا گیا پھر امام ذیشان نانا جلیل صلی اللہ علیہ وسلم کی آپ سے بے پناہ محبت عنایتوں اور سرفرازیوں واقعات عرض کئے گئے۔ آیئے ہم پھر علامہ اقبال کے لکھے "حریت اسلامیہ و سرِ حادثہ کی جانب رجوع ہوتے ہیں۔

(۱) چوں خلافت رشتہ از قرآں گسیخت ؛ حریت را زہر اندر کام ریخت
(۲) خاست آں سر جلوۂ خیر الامم رض ؛ چوں سحاب قبلہ باراں در قدم
(۳) بر زمین کربلا بارید و رفت ؛ لالہ در ویرانہ ہا کارید و رفت
(۴) تا قیامت قطع استبداد کرد ؛ موج خون او چمن ایجاد کرد
(۵) بہر حق در خاک و خوں غلطیدہ است ؛ پس بنائے لا الہ گردیدہ است
(۶) مدعائش سلطنت بودے اگر ؛ خود نکردے با چنیں ساماں سفر
(۷) دشمناں چوں ریگ صحرا لاتعد ؛ دوستان او بہ یزداں ہم عدد

علامہ اقبال کہہ رہے ہیں کہ جب خلافت نے قرآں سے رشتہ منقطع کر لیا تو حریہ نے دم توڑ دیا تو خیر الامم حضرت امام حسین رض سرزمین کربلا تشریف لے گئے اور نا قیا

ظلم کا خاتمہ کرکے یہ ثابت کر دیا کہ حق کے لئے خاک و خون میں کس طرح نہایا جا سکتا ہے اور یہ بھی ایک طریقہ ہو سکتا ہے ظالم کو رسوا کر کے اس کے ہاتھ ظلم سے روکنے کا۔ امام ذی وقار رض کا مقصد اگر حصول سلطنت و حکومت ہوتا تو آپ اس بے سروسامانی کی حالت میں سفر نہ فرماتے۔

مندرجہ بالا اشعار کو مزید سمجھنے کے لئے ہمیں تاریخ کے اوراق الٹنے ہوں گے کہ ۶۰ ہجری میں یزید اپنے باپ کے انتقال کے بعد حکومت پر خلاف احکام الٰہی قابض ہو گیا۔ اور حاکم مدینہ ولید کے نام احکام روانہ کئے کہ امام حسین رض اور عبداللہ بن زبیر رض دونوں سے بہر صورت بیعت لی جائے۔ امام حسین رض عالی مقام کے سامنے اسلام کی بقاء کا مسئلہ تھا آپ کا ایک بھی غلط قدم آپ کے نانا کی امت کے لئے تا قیامت ایک غلط نظیر بن کر رہ جاتا آپ نے بیعت یزید قبول نہ فرمائی اور میدان کربلا میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ ۱۰ محرم سنہ ۶۱ ہجری کو تین روز کی سخت بھوک پیاس کی حالت میں شہید ہو گئے۔ دیکھنے کو تو واقعہ کتنا مختصر نظر آتا ہے لیکن کس قدر عمیق فلسفے اس میں امت محمدی کیلئے پنہاں ہیں۔ امام عالی مقام نے اپنے نانا کی امت پر اس قدر احسان عظیم فرمایا کہ حسب ذیل اہم ترین ایمان کے شعبوں کی جانب امت مسلمہ کی رہبری فرمائی اور شہادت عظمیٰ کا فلسفہ سمجھایا۔

۱)۔ فلسفہ یقین محکم و ایمان کامل و امامت امام حسین رض

۲)۔ امام حسین رض اور تسلیم و رضا، صبر اور چند غلط فہمیوں کے ازالے

۳)۔ لا ملوکیت فی الاسلام کا اسلامی تصور از روئے قرآن اور امام حسین عالی مقام

۴)۔ فلسفہ آزادی و غلامی اور حضرت حسین رض امام عالی مقام و یزید ادنیٰ مقام

۵)۔ فلسفہ علم عشق و عمل اور میدان کربلا

۶)۔ فلسفہ خودی و فقر اور امام حسین رض

۷)۔ فلسفہ خیر و شر

آئیے اب ہم مندرجہ بالا اہم موضوعات میں سے ہر موضوع پر امام ذیشان سے رہبری حاصل کریں

امام ذی وقار یقین محکم اور ایمان کامل کی بلند ترین چوٹی پر فائز

علامہ اقبال حادثۂ کربلا میں لکھتے ہیں۔

(۱) ہر کہ پیماں با ہو الموجود بست ! گردنش از بند ہر معبود رست

۲۔ عزم او چون کوہساران استوار ؛ پایدار و تند سیر و کامگار

مندرجہ بالا اشعار میں علامہ نے دو اہم نقاط بیان کئے ہیں۔

(۱) ہر وہ مردِ حق جس نے اللہ پاک سے عبدیت کا عہد پیمان باندھا۔ ہر وہ بندہ خدا جس نے ہوالموجود سے اس کی ربوبیت اور اپنی عبدیت کا عہد کیا تو ایسے مرد حق کی گردن پھر کسی کے آگے خم ہو ہی نہیں سکتی۔ جب ایک عام مومن جب اللہ سے پیمان کرنے کے بعد کسی کے آگے اپنا سر خم نہیں کر سکتا تو امام عالی مقام جن کا یقین محکم جیسا کہ علامہ دوسرے شعر میں کہہ رہے ہیں۔ پہاڑوں کی طرح استوار اور غیر متزلزل تھا آپ کا سر کس طرح یزید فاسق کے آگے خم ہو سکتا تھا؟ یقین کے اعتبار سے مقامات اعلیٰ از روئے قرآن چار ہیں (۱) انبیاء (۲) صدیقین (۳) شہدا (۴) صالحین

امام حسینؓ ذیشان تو صالحین کے مولا اور سردار تھے شہادت عظمیٰ کی منزل جلیلہ تو آپ کے زیر قدم تھی ہی، صدق و صداقت تو خاندان نبوت کا زیور ہی ہوتا ہے اب رہ گیا مقام انبیاء جو نبی آخر الزماں کے سینے پر کھیلتے رہے ان کے یقین کامل کا کیا ہوگا۔

یقین کامل، یقین محکم ہی ایمان کامل کے روپ میں تاریخ انسانی کی مثال اپنے جد امجد حضرت ابراہیم خلیلؑ سے حضرت حسینؓ عالی مقام کو بطور ورثہ ملا تھا۔ علامہ اقبالؒ کہتے ہیں کہ یقین کی روشنی اور ضیاء ہی انسان کے ظلمت و کردار کی سیاہی کو دور کر کے کردار روشن بنا دیتی ہے۔

روشن اس ضو سے اگر ظلمت کردار نہ ہو ؛ خود مسلماں سے ہے پوشیدہ مسلماں کا مقام

جب اس بارے میں سر مو شبہ نہ رہا کہ امام ذیشان یقین محکم کی پوری منزلیں طے فرما چکے تھے اور ایمان کامل کی آخری منزل پر یہ ابراہیم خلیل اللہ اور اسمعیلؑ ذبیح اللہ پورا فائز ہو چکا تھا۔ تو بلا شبہ علامہ اقبال کہتے ہیں۔

۱۔ او کلیمؑ و او مسیحؑ و او خلیل ؛ او محمدؐ او کتاب او جبرئیل

۲۔ مسلمان بندہ مولا صفات است ؛ دل او سرّے از اسرار ذات است

۳۔ جمالش جز بہ نور حق نہ بینی ؛ کہ اصلش در ضمیر کائنات است

ترجمہ و مطلب:۔ وہ امام عالی جاہ حضرت حسینؓ حضرت محمد ﷺ حضرت ابراہیمؑ و حضرت عیسیٰ علیہم السلام کی طرح ہو گئے تھے۔ امام ذیشان حضرت حسینؓ سراپا قرآن بن چکے تھے جبرئیلؑ

تو گویا آپ میں سما چکے تھے ۔

(۲) ۔ مسلمان بندہ خدا صفات میں صفات الٰہیہ کا حامل ہوتا ہے ۔ اور اس کا قلب اللہ کے رازوں میں کا ایک راز ہوتا ہے ۔

(۳) ۔ اس کا جمال اللہ کے جمال اور نور کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا کیونکہ اس کی بنیاد کائنات کے پردے کے اندر مضمر ہے ۔ پس امام حسین رض کے بلحاظ یقین مقامات اعلیٰ کس قدر بلند تھے سب پر عیاں و ظاہر ہیں ۔ ایسا امام برحق جس کے یقین کا یہ حال تھا کہ

یقین مثل خلیل آتش نشینی ؛ یقین اللہ مستی خود گزینی !

وہ امام برحق رہبر زماں رہنمائے دنیا و دین جس کو تاقیامت امت محمدی ؐ کی امامت و رہبری کے لئے اللہ پاک نے پیدا فرمایا تھا کس طرح یزید اور اس کے لوگوں کے ہاتھ پر بیعت کر سکتا تھا جن کا بقول علامہ اقبال یہ حال تھا کہ

سینہ ہا از گرمی قرآں تہی ؛ در چنیں مرداں چہ امید بہی

جن کے سینے قرآن کی گرمی سے خالی ہو گئے ہوں ان سے اچھائی امید ہی کیا کی جا سکتی ہے امامت کے تعلق سے علامہ اقبال کہتے ہیں ۔

تو نے پوچھی ہے امامت کی حقیقت مجھ سے ؛ حق تجھے میری طرح صاحب اسرار کرے
ہے وہی تیرے زمانے کا امام برحق ؛ جو تجھے حاضر و موجود سے بیزار کرے
موت کے آئینے میں تجھ کو دکھا کر رخ دوست ؛ زندگی تیرے لئے اور بھی دشوار کرے
دے کے احساس زیاں تیرا لہو گرما دے ؛ فقر کی سان چڑھا کر تجھے تلوار کرے

اور یزید کی خلافت اور امامت کے بارے میں جو اس نے دعوے کیا تھا علامہ فرماتے ہیں

فتنہ ملت بیضا ہے امامت اس کی ؛ جو مسلماں کو سلاطین کا پرستار کرے

امام حسین رض کے یقین محکم اور ایمان کامل سے تو ہم نے قدرے واقفیت حاصل کی جس کی تعلیم آپ امت محمدی ؐ کو دے گئے اب آیئے تسلیم و رضا پر ۔

حضرت حسین رض صبر تسلیم و رضا کی انتہا پر چند غلط فہمیوں کے ازالے

وہ امام حسین رض جنکی تربیت و پرورش تسلیم و رضا کے آغوش میں ہوئی یعنی سیدۃ النساء جن کے بارے میں علامہ کہتے ہیں ۔

آں ادب پروردۂ صبر و رضا ؛ آسیا گرداں و لب قرآں سرا

ایسی صبر و رضا کی ماں نے امام حسینؓ کو اپنی طرح تسلیم و رضا کا پیکر بنا دیا تھا قدرت کے امتحان بھی کتنے عجیب ہوتے ہیں کہ امامؑ عالی مقام جیسے جوہر ذاتی رکھنے والے کو قدرت بظاہر ذلیل و خوار کرتی نظر آتی ہے اور یزید جیسے نااہل کو کچھ دیر کے لئے قوت و ثروت عطا فرما کے آزماتی ہے جیسا کہ حضرت اقبال کہتے ہیں۔

نااہل کو حاصل ہے کبھی قوت و ثروت ؛ ہے خوار زمانے میں کبھی جوہر ذاتی
شاید کوئی منطق ہو نہاں اسکے عمل میں ؛ تقدیر نہیں تابع منطق نظر آتی !
ہاں ایک حقیقت ہے کہ معلوم ہے سبکو ؛ تاریخ امم جسکو نہیں ہم سے چھپاتی !
ہر لحظہ ہے قوموں کے عمل پر نظر اسکی ؛ براں صفت تیغ دو پیکر نظر اس کی !

جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا قدرت کے امتحانات لینے کے سلسلہ میں یہ فطرت کے تقاضے ہوتے ہیں۔ ان امتحانات کی کشمکش میں گھبرا کر نیک عمل سے غافل اللہ کے نیک بندے نہیں ہوتے بلکہ مسکراتے ہوئے امام حسینؓ کی طرح مستقل مزاجی کے ساتھ یوں بقول اقبال نعرہ لگاتے ہیں۔

فطرت کے تقاضوں پہ نہ کر راہ عمل بند ؛ مقصود ہے کچھ اور ہی تسلیم و رضا کا !
خدا کے پاک بندوں کو حکومت میں غلامی میں ؛ زرہ کوئی اگر محفوظ رکھتی ہے تو استغنا !
وہی ہے صاحب امروز جس نے اپنی ہمت سے ؛ زمانہ کے سمندر سے نکالا گوہر فردا
رہے ہیں اور ہیں فرعون میری گھات میں اب تک ؛ مگر کیا غم کہ میری آستیں میں ہے ید بیضا
وہ چنگاری خس و خاشاک سے کس طرح دب جائے ؛ جسے حق نے کیا ہو نیستاں کے واسطے پیدا !

یہ عجیب تماشا ہے کہ دنیا کی نظریں ہمیشہ دھوکے ہی میں رہتی ہیں وہ ظاہری تباہی جو در اصل بدترین فنا سے دوچار کرنے کا پیش خیمہ ثابت ہوتی ہے تو اس کو بقا سمجھتی ہے جیسا کہ کچھ دیر کے لئے یزید فاسق کو دیکھو اور وہ فنا جو اللہ کے راستے میں امام حسینؓ نے حاصل فرمائی اس کو دنیا والے فنا سمجھتے ہیں۔ حالانکہ یہ بہت بڑی بھول ہے ایسا سمجھنے والوں کی جبکہ اللہ پاک کلام پاک میں فرماتے ہیں۔

(۱) اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جائیں انہیں مردہ مت کہو ایسے لوگ تو حقیقت میں زندہ ہیں مگر تمہیں شعور نہیں (البقرہ ۱۵۴)

(۲) اور جو اللہ کی راہ میں مارے گئے ہرگز انہیں مردہ نہ خیال کرنا بلکہ وہ اپنے رب کے

زندہ ہیں روزی پاتے ہیں شاد ہیں اس پر جو اللہ نے انھیں اپنے فضل سے دیا (سورہ آل عمران آیت ۱۶۹-۳)

(۲) حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے مومنوں سے ان کے نفس اور ان کے مال جنت کے بدلے خرید لیے ... وہ اللہ کی راہ میں لڑتے اور مارتے اور مرتے ہیں (التوبہ ۱۱۱)

(۳) جو لوگ ہماری خاطر مجاہدہ کریں گے انھیں ہم اپنے راستے دکھائیں گے۔ اور یقیناً اللہ نیکو کاروں کے ساتھ ہے (سورہ العنکبوت ۶۹)

بقول علامہ اقبال کے حضرت امام ذی وقار کا یہ حال تھا کہ

یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن ؛ قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن

(۱) حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن مرد اور عورتوں پر ان کی اولاد اور مال باپ پر بلائیں آتی رہتی ہیں یہاں تک کہ وہ اللہ سے جا ملتے ہیں ان کی کوئی خطا باقی نہیں رہ جاتی (ترمذی)

(۲) حضرت انس سے روایت ہے کہ فرمایا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ سب سے بڑا اجر سب سے بڑی آزمائش پر ملتا ہے اور اللہ تعالیٰ کسی قوم سے محبت کرتا ہے تو اس کو آزمائش میں ڈالتا ہے۔ بس جو راضی بہ رضا ہے اس سے اللہ خوش ہوتا ہے اور جو آزمائش اللہ سے ناراض ہو جائے تو اللہ بھی اس سے ناراض ہو جاتا ہے (ترمذی)

(۳) حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ صبر جنت کے خزانوں میں سے خزانہ ہے (غزنی)

(۴) حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد کیا جو بندہ کسی جانی یا مالی مصیبت میں مبتلا ہو اور وہ کسی سے اظہار نہ کرے اور نہ لوگوں سے شکایت کرے تو اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے کہ وہ اس کو بخش دے گا (طبرانی)

(۵) حضرت ابو امامہؓ سے روایت ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ اے ابن آدم اگر تو نے کسی صدمہ کے پہنچنے کے وقت ابتدا ہی میں صبر اور میری رضا اور ثواب کی نیت کی تو میں راضی نہیں ہوں گا تجھے جنت سے کم اور اس کے سوا کوئی ثواب دے۔ "ابن ماجہ"

تمام کے ارشادات کی روشنی میں امام عالیجاہ تسلیم و رضا کی کس قدر ثریا سے ہم کلام چوٹی پر فائز تھے یہ آسانی سمجھا جا سکتا ہے اس لئے علامہ اقبال کہتے ہیں۔

رمز قرآن از حسینؓ آموختیم ؛ ز آتش او شعلہ ہا اندوختیم

ترجمہ :- امام حسینؓ سے قرآن کے رمز ہم سیکھتے ہیں آپ کے ایمان کے شعلہ سے ہم گرمی و حرارت ایمان حاصل کرتے ہیں۔

لاملوکیت فی اسلام کا اسلامی تصور ازروئے قرآن اور

امام حسینؓ عالی مقام

اس کے قبل علامہ کے حادثہ کربلا کے جو اشعار لکھے جا چکے ہیں ان میں یہ شعر کہ

چوں خلافت رشتہ از قرآں گسیخت ؛ حریت را زہر اندر کام ریخت

ازروئے قرآن کائنات کے بادشاہ مالک اللہ پاک ہیں اور انسان صرف زمین پر اس کا نائب جیسا کہ اللہ فرماتے ہیں۔

"جب تمہارے رب نے فرشتوں سے فرمایا میں زمین پر اپنا نائب (آدم) بنانے والا ہوں، بولے کیا ایسے کو نائب کرے گا جو اس میں فساد پھیلائے گا اور خون ریزیاں کرے گا۔ ہم تیری تسبیح کرتے ہیں اور تیری پاکی بیان کرتے ہیں فرمایا مجھے معلوم ہے جو تم نہیں جانتے" (سورہ البقرہ ع ۳)

آخر اللہ پاک نے آدمؑ کے عمل ممنوعہ کھانے کے بعد جنت سے زمین پر ایک مدت معینہ تک روانہ فرمایا جیسا کہ ارشاد ہے قرآن پاک میں۔

"اور ہم نے فرمایا نیچے اترو آپس میں ایک تمہارا دوسرے کا دشمن اور تمہیں ایک وقت تک زمین میں ٹھہرنا اور برتنا ہے" (البقرہ ع ۴)

پھر توبہ آدمؑ کی قبول ہوئی خلافت کی امانت کے بارے میں ارشاد ہو رہا ہے۔

"ہم نے اپنی امانت کو آسمانوں زمین اور پہاڑوں پر پیش کیا ان سب نے اٹھانے سے انکار کر دیا اور ڈر گئے اور انسان نے اسکو اٹھا لیا۔"

مندرجہ بالا آیات قرآنی سے صاف ظاہر ہے کہ اللہ پاک نے انسان کو دنیا میں اپنا نائب بنا کر روانہ فرمایا دنیا کا بادشاہ بنا کر نہیں۔ اس زمین کا بادشاہ حقیقی تو اللہ ہی ہے اگر کوئی بادشاہ اور زمین کا مالک بننے کا دعویٰ کرے وہ بتان آزری سے ہے جیسا کہ علامہ فرماتے ہیں۔

سروری زیبا فقط اس ذاتِ بے ہمتا کو ہے ؛ حکمراں ہے ایک وہی باقی بتانِ آذری

یہ اللہ پاک نے انسان کو صرف بہ حیثیت اپنا نائب بنا کر زمین پر بھیجا تو گویا وہ اللہ کا وائسرائے ہوا ظاہری طور پر سمجھنے کے لئے یعنی مثال کے طور پر یوں سمجھا جاسکتا ہے کہ جب انگریزوں نے ہندوستان ں ملکیت سمجھ کر حکومت کی تو منجانب شاہ انگلستان ایک وائسرائے گویا بادشاہ کا نائب بن ہندوستان نہ کیا جاتا تھا وہ ہندوستان پر ضرور حکومت کرتا لیکن صرف شاہ انگلستان یا برطانیہ کا نائب بن کر شدہ نب سے شاہ کے دیئے ہوئے اختیارات شاہ کے بنائے ہوئے قانون اور دستور کے تحت کے دستور و منشاء کو چھوڑ کر اپنے بنائے ہوئے دستور کو رائج کرے تو موجب سزا اور غدار کی یب میں آسکتا تھا۔ لہذا کسی وائسرائے نے ایسا کبھی نہیں کیا۔ ایک اور مثال کہ کبھی ریاست کا گورنر جمہوریہ کا نائب بن کر دستور ہند کے عطا کردہ اختیارات کے تحت ریاست کی نگرانی کرتا ہے۔ تور سے غفلت برتنے پر اس کا انجام ظاہر ہے کہ عہدہ جلیلہ سے علحدگی بلکہ حد سے متجاوز ہو پر وہ مستوجب سزا بھی خواہی حکومت عوامی منشاء کے مطابق حکومت کرنے کی پابند ہے اور ن و ضوابط کی پابند۔ بصورت دیگر ایسی حکومت یا چیف منسٹر کو وقت مقررہ کے بعد عوام ضرور ہٹا گے اور پھر کبھی موقعہ نہ دیں گے۔

اس قدر وضاحت کے بعد یہ امر روشن ہو کر سامنے آجاتا ہے کہ بلا شبہ جب اس زمین کا یقی اور بادشاہ اللہ ہے جب مسلمان اللہ کو رب العلمین یعنی سارے جہانوں کا مالک اور پالنے ی مانیں مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ یعنی روز جزا کا مالک بھی مانیں اِيَّاكَ نَعْبُدُ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ یعنی ہو جا کرنے کا اقرار بھی کریں اور اس سے مدد بھی چاہیں پھر زمین کا مالک و بادشاہ اپنے سمجھکر فرعونیت کا ثبوت دے کر اس کی خدائی میں شریک ہونے کا دعویٰ اعلانیہ مثل یا درپردہ مثل یزید کریں تو باطل پرست ضرور برداشت کر سکتے ہیں لیکن امام برحق جنہیں عموماً ر خصوصاً امت محمدیؐ کی رہبری کے لئے پیدا کیا گیا ہو یعنی عظیم المرتبت امام حضرت حسینؓ کس رداشت فرما سکتے تھے؟ دنیا میں اللہ کے نائب بن کر اس کے دستور کے تحت حکومت کرنا یہ ایک بہت بڑا عہدہ جلیلہ ہے علامہ اقبال اسرار خودی میں اس حقیقت کو یوں ادا کر ہیں ۔

نائب حق در جہاں آدم شود ؛ بر عناصر حکم او محکوم شود
نائب حق در جہاں بودن خوش است ! بر عناصر حکمراں بودن خوش است

(۳) نائب حق ہمچو جاں عالم است ؛ ہستی او ظلی اسم اعظم است

ترجمہ و مطلب :۔ دنیا میں آدمؑ اللہ کا نائب ہوتا ہے تمام موجودات پر اس کا حکم جاری وساری ونافذ ہوتا ہے۔

(۲) ۔ دنیا میں اللہ کا نائب بن کر گزارنا اور بحیثیت نائب حکمرانی دنیا کے عناصر پر کرنا بہتر ہے

(۳) ۔ نائب حق کا مقام اس قدر بلند ہے کہ اللہ کا نائب عالم کی جان کے مانند ہے ۔ اس کا وجود اسم اعظم کا یعنی اللہ پاک کا سایہ ہے اگر انسان ناقص وباطل پرست کی ہوس اس قدر ترقی کر جائے کہ وہ اونچے عہدے اور جلیل القدر عہدے سے بھی مطمئن نہ ہو اور وہ زمین پر خود کو بادشاہ سمجھنے لگے تو امام ذیشان کے سامنے قرآن پاک کی یہ آیتیں تھیں ۔

"پورب پچھم سب اللہ ہی کا ہے جو جدھر منہ کرو ادھر اللہ ہے بیشک اللہ وسعت والا علم والا ہے ۔ بلکہ اسی کی ملک ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اس کے حضور گردن ڈالے ہیں۔ پیدا کرنے والا آسمانوں اور زمین کا" (سورہ البقرہ ع۱۴)

جب امام حسینؓ قرآن میں یہ پڑھیں کہ زمین کا بادشاہ اللہ ہے تو یزید کو بادشاہ کیسے تسلیم کرتے ۔ اسلام میں روحانی میدان ہو کہ دنیوی حکمرانی کا میدان جس کا مطلب اللہ اور اس کے رسول کی نیابت ہے صرف ذاتی اہلیت و فضیلت تقوی و اعمال صالح ہی کی بناء پر یہ نیابت حاصل کی جا سکتی ہے فضیلت نسل و رنگ کی بناء پر ہرگز نہیں بروز فتح مکہ اللہ کے رسولؐ نے اعلان فرما دیا کہ آج سے کسی کو فضیلت نسل و رنگ کی بناء پر باقی نہیں رہی میں نے حسب و نسب کی جھوٹی شان کو اپنے قدموں تلے روند دیا ہے آج سے فضیلت کا معیار تقوی اور اعمال صالح ہیں۔ چنانچہ علامہ اقبال لکھتے ہیں۔ رموز بیخودی میں لم یلد و لم یولد کی آیت کی تفسیر میں ۔

قوم تو از رنگ و خوں بالاتر است ؛ قسمت یک اسودش صد احمر است

ترجمہ و مطلب :۔ علامہ فرما رہے ہیں کہ اے مسلمان اگر تو لم یلد و لم یولد کا بندہ ہے آج جیسے اللہ پاک نسل و نسب سے پاک ہے اسی طرح تو بھی اپنی بنیاد توحید پر رکھ کر یعنی خدا واحد کا بندہ بن کر حسب و نسب سے آزاد ہو جا اسلام میں اسود اور احمر یعنی کالا اور سرخ دونوں یکساں ہیں بلکہ ایک کالا آدمی مسلمان ہو جائے اور ایک کالے آدمی اعمال صالح کا مالک ہو تو اسے فضیلت سرخ و سفید و گورے آدمی پر حاصل ہے پھر بانگ درا میں دنیائے اسلام کے عنوان سے لکھتے ہیں ۔

جو کریگا امتیاز رنگ و خوں مٹ جائیگا ؛ ترک خرگاہی ہو یا اعرابیٔ والا گہر
نسل اگر مسلم کی مذہب پر مقدم ہوگئی ؛ اڑ گیا دنیا سے تو مانند خاک رہ گزر

ہ چیز ہمیں ذہن نشین رکھنی چاہیئے کہ حضرت فاطمۃ الزہرہ رض دختر رسول ؐ ہوں یا حضرت علی رض چچا زاد برادر ل خدا صلعم و داماد رسول ؐ حضرت امام حسن رض ہوں یا امام حسین رض ان سب کی عزت اولاً ان کے ال سے ہے جب اعمال اچھے ہوں تو نسب عظمت بڑھانے میں سونے پر سہاگا کا کام انجام دیتی ہ رسول اللہ صلعم ہر وقت اپنی محبوب بیٹی کو نہ صرف اعمال کی نصیحت فرماتے رہے بلکہ اعمال پر ت نگرانی رکھی۔ علامہ اقبال نے ان بزرگ ہستیوں کی صرف نسبت ہی بیان نہیں کی ہے بلکہ اعمال کی ائی بلندیوں کو اجاگر فرمایا ہے۔ اگر صرف نسب ہی بڑائی کی دلیل ہوتی تو ابوجہل بھی رسول خدا صلعم ا سے ہے جو اپنے اعمال کی بناء پر جہنم کی آخر کار زینت بن گیا۔

اس قدر تفصیلی بحث سے یہ واضح ہو چکا کہ " لاملوکیت فی اسلام " اسلام یادی اصول ہے زمین کا بادشاہ اللہ ہے انسان کو اس کا نائب بن کر اس کی جانب سے اس کے ستور کے تحت حکمرانی کرنی ہے۔ اسلام ملوکیت کو برداشت نہیں کرسکتا خلیفہ کا انتخاب قوم کرے گی کا نامزد خلیفہ، باپ اپنے بیٹے کو نامزد نہیں کرسکتا خلیفہ دراصل دینوی و روحانی رہنما ہوتا ہے پ کے بعد نا اہل بیٹا اس کی مسند پر بیٹھ جائے تو علامہ فرماتے ہیں 'کوّے عقابوں کے نشیمن یٹھ گئے ہیں ؎

میراث میں آئی ہے انہیں مسند ارشاد ؛ زاغوں کے تصرف میں عقابوں کے نشیمن

ت و ملوکیت کا تصور ہمیشہ تباہی کا موجب بنا رہا بقول حضرت اقبال ؎

کرتی ہے ملوکیت آثار جنوں پیدا ؛ اللہ کے نشتر ہیں تیمور ہو یا چنگیز

ور ہے کہ یزید فاسق نے جمہوریت اسلام کو مٹا کر اپنی بادشاہت کو خلافت کا نام دیکر دستور م کو اپنی سیاست سے علاحدہ کر کے امام عالی مقام سے اپنے تعلق سے بیعت طلب کی ہے قبال کے الفاظ ہیں ؎

جلال بادشاہی ہو کہ جمہوری تماشا ہو ؛ جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

نے ناہموار بے دین حکومت قائم کی پھر شاہ دین و دنیا کے نواسے سے جو بلحاظ اعمال مومن کامل امام برحق تھے۔ اپنے تعلق سے بیعت طلب کرنیکی ناشائستہ جسارت کی۔ اب امام عالیجاہ د دو ہی راہیں باقی تھیں ایک اپنے نانا ؐ کی لائی ہوئی شریعت اور لائے ہوئے مذہب کا کلمہ

قیامت تک کے لئے گھونٹ کر اپنی جان بچالیں دوسری اپنے نانا کی لائی ہوئی شریعت اور لایا ہوا دین ابراہیمیؑ کو صحیح انداز میں امت محمدیؐ کے سامنے پیش فرما کے آپ کے دوش مبارک پر امامت کے جو فرائض عاید تھے ان کا حق ادا فرما دیں اور لاملوکیت فی اسلام کی اہمیت اور ضرورت کو قیامت تک کے لئے ثابت فرمادیں اور اپنے نانا کی امت کو یہ نعرہ سکھادیں کہ

شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن ؛ نہ مال غنیمت نہ کشور کشائی (اقبال)

جس کسی نے دست یزید پر بیعت کرنے اصرار کیا امام عالیمقامؓ نے ایک ہی سوال کیا کہ کیا یزید کا ہاتھ اس تعریف میں آتا ہے ۔ ؟

ہاتھ ہے اللہ کا بندۂ مومن کا ہاتھ ؛ غالب و کار آفریں کارکشا کارساز (اقبال)

یزید کے زرخرید غلاموں کے پاس بھی امام عالی مقام کے سوال کا جواب نفی میں تھا اور صرف ایک جہالت کی ضد تھی اور دنیوی لالچ کہ آپ سے بیعت لے کر آپ کو شہید کر کے یزید سے دنیوی اعزازات حاصل کریں یہ سینہ نبوتؐ پر لوٹا ہوا شیر خداؓ سے تربیت پایا ہوا فاطمۃ الزہراؓ کی کوکھ مبارک سے جنم لیا ہوا وہ فرزند اسلام تھا جس کو نام اسلام رکھنا تھا جس کو توحید کے اجالے سے دنیا کو روشن کرنا تھا اسلام کے اصول لاملوکیت فی اسلام کے معنی امت محمدیؐ کو سمجھانا تھا آپ نے اپنے ساتھیوں کے سامنے با آواز بلند فرمایا جیسا کہ واقعہ کربلا میں حضرت اقبال لکھتے ہیں

تیغ بہر عزت دین است و بس ؛ مقصد او حفظ آئین است و بس

ترجمہ :- تیغ (تلوار) کا مقصد صرف دینِ الٰہی کی عزت رکھنا ہے ۔ مومن کے ہتھیار کا مقصد صرف اللہ کے آئین و دستور کی حفاظت ہے ۔

آپ کے ساتھیوں نے آپ کی آواز پر آپ کی دعوت پر آپ کی حقیقی رہنمائی پر جواب دیا مرحبا مرحبا اے امام برحقؓ آپ نے سچ کہا ہم اسلام پر قربان ہونے تیار ہیں ہم لاملوکیت فی اسلام اور خلافت کا مطلب دنیا پر اجاگر کریں گے امام عالی مقام اور آپ کے جانباز ساتھیوں کے نقش قدم پر چلنے کے بارے میں علامہ اقبال ہم کو سمجھا رہے ہیں ۔

تا خلافت کی بنا دنیا میں پھر ہو استوار ؛ لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

علامہ اس طرح نصیحت فرماتے ہیں آج کل کے علماء کو کہ تم خانقاہوں میں آرام سے کب تک بیٹھے رہوگے اندوہ و دلگیری کا انداز لئے ۔

نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسمِ شبیری ؔ ؛ کہ فقرِ خانقاہی ہے فقط اندوہ و دلگیری
عام حریت کا دیکھا تھا جو خواب اسلام نے ؛ اے مسلماں آج تو اس خواب کی تعبیر دیکھ

فلسفہ آزادی و غلامی اور

حضرت امام حسین ؓ امام عالی مقام و یزید ادنیٰ مقام

فلسفہ آزادی اور غلامی بڑے نازک مسائل کی صورت اختیار کر گئے ہر قوم کے سامنے ہیں۔ اسلام نے اس کے کیا حدود مقرر کئے ہیں ۔ اس نازک فرق کو شہادت امام حسین ؓ المرتبت اجاگر کرتی ہے جیسا کہ علامہ اقبال نے "حریت اسلامیہ و سرِ حادثہ کربلا" پر روشنی ڈالی ہے اور جس عنوان کے لئے ہم بڑھ رہے ہیں اس میں عنوان ہی سے ظاہر ہے کہ حریت ل اسلام کی جان ہے۔ اسلام کی تعلیم دراصل حریت عطا کرتی ہے اور حریت اسلام کو باقی ے از بس ضروری ہے اسلام کی اس حریت کو برقرار رکھنے امام ذیشان ؓ نے اپنی جان پاک کے حوالے فرما کے اسلام کی حریت کو باقی رکھا۔ فلسفہ شہادت امام عالی مقام میں جہاں شیدہ فلسفہ حیات حل ہو جاتے اور ہمارے لئے رہنمائی کرتے ہیں۔ وہیں فلسفہ آزادی و بھی عملی طور پر حل ہو کر سامنے آجاتا ہے ۔ پہلے ہم آزادی و غلامی کے پہلوؤں پر تھوڑی کر کے روشنی تو ڈال لیں ۔ پھر ہم دیکھیں گے کہ حضرت امام ذیشان آزادی کی کس منزل پر فائز ور یزید ادنیٰ مقام غلامی کی کس گندہ منزل اور دلدل میں پھنسا ہوا تھا ۔

ن آزاد ہے یا محکوم

انسان مطلق العنان اور قادر المطلق بن کر سرکشی کا انداز لئے زندگی بسر کرنے کے لئے پیدا ہی نہیں ہوا ہے اگر کوئی مطلق العنان مطلق ہونے کا دعویٰ کر کے سرکشی پر اتر آئے تو وہ فرعون ہے انسان کا تعلق ہمیشہ معبود سے عبد وابستہ رہتا ہے ۔عبد سے معبود کا تعلق اور معبود کو موجود تسلیم کرنا یہ دو ایسے حقائق فتیں ہیں جن کو کبھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ اگر اس تعلق کو چھوڑ کر زندگی گزار دی جائے تو ن خطرناک حدود میں انسان اور اس کی زندگی پہنچ جاتی اور لقا سے ہمکنار نہ ہو کر نابیہ ت ہو کر ہے ۔ اس لئے علامہ اقبال نے اس حقیقت کو یوں اجاگر فرمایا ہے ۔

تری نگاہ میں ثابت نہیں خدا کا وجود ؛ میری نگاہ میں ثابت نہیں وجود ترا

ہر کہ بے حق زیست جز مردار نیست ؛ گرچہ کس در ماتم او زار نیست

ترجمہ و مطلب :- جو آدمی اللہ پاک سے تعلق منقطع کر کے زندہ رہا وہ مردار یعنی مرے ہوئے کی طرح ہے اگرچہ کہ کوئی اس کے مرنے کا ماتم نہیں کر رہا ہے۔

یہی تو مقام تھا کہ جب یزید نے اپنے اعمال سے خدا کے وجود سے انکار کر دیا اور مذموم تعریف میں آگیا تو حضرت حسینؓ امام روشن ضمیر نہ مردہ کے ہاتھ پر بیعت فرما سکتے تھے نہ اس کا دفاع فرما سکتے تھے لہٰذا اُمت کی رہبری کرنے والے امامؓ نے سمجھایا کہ اے بدنصیب! خلافت اللہ کی کا اعلان کرتی ہے اور بادشاہت تیری خدائی کا اعلان کرتی ہے تو نے یہ کیا دو عملی اختیار کر رکھی کہ خلافت کا نام دے کر بادشاہت کے پردہ میں خدائی کرنے کی جرأت کر رہا ہے۔

یہ بندگی خدائی وہ بندگی گدائی ؛ یا بندۂ خدا بن یا بندۂ زمانہ (اقبال)

معبودِ حقیقی سے عبدیت کا تعلق

ہی اصلی حریت و آزادی

عبد کا معبود سے بندگی کا اقرار قولاً فعلاً انسان کو حقیقی آزادی سے ہمکنار کرتا ہے چونکہ ایک حقیقی معبود کے سامنے جب انسان اپنا سر خم کر دیتا ہے وہ ہزاروں ان گنت مصنوعی معبودوں اور دنیا کی بڑی سے بڑی قوتوں کے سامنے سر جھکانے اور خائف ہونے سے بالکل بے نیاز ہو جاتا ہے کہ علامہ اقبال فرماتے ہیں۔

رہے گا تو ہی جہاں میں یگانہ و یکتا ؛ اتر گیا جو ترے دل میں لاشریک لہٗ

وہی سجدہ ہے لائق اہتمام ؛ کہ ہو جس سے ہر سجدہ تجھ پر حرام

وہ شخص جو معبود واحد و خالقِ حقیقی سے اپنا رشتۂ عبدیت مستحکم کرنے کے بجائے مادہ و دولت و حکومت نفس امارہ کا غلام بن کر خدا کے بندوں کو دنیا کا لالچ دے کر اپنا غلام بنا لیتا ہے غلط کام خود کرتا اور ان سے غلط کام لیتا ہے تو کبھی فرعون بن کر دنیا کے سامنے آتا ہے کبھی نمرود کے روپ سے کر نمودار ہوتا اور کبھی یزید فاسق کے نام سے جنم لے کر خدا کے نواسے امام برحقؓ سے ٹکر لیتا ہے۔ یہ اپنے نفس کے غلام بن کر ایسے غلام بن جاتے ہیں کہ حفیظ جالندھری نے شاہنامہ اسلام میں یزید کی غلامی کی گویا یوں وضاحت کی ہے وہ کہ یہ یزید نامرد ایسا غلام ہے جو بغرض جنگ میدان کربلا میں نہیں آیا۔ بادشاہت کا طوق جو درحقیقت غلامی و لعنت کا طوق تھا پہن کر خوشی سے پھول گیا۔

یزید پر منجانب ابلیس مسلط کردہ غلامی

غلامی میں بشر غیرت پہ قائم رہ نہیں سکتا ؛ ثبات و صبر سے کوئی مصیبت سہہ نہیں سکتا
غلامی میں بشر عزت کے معنی بھول جاتا ہے ؛ پہن کر طوق لعنت کا خوشی سے پھول جاتا ہے
غلامی سربلندی کے نتائج سے ڈراتی ہے ؛ زمیں پر پیٹ کے بل رینگنے کا گر سکھاتی ہے
غلامی دیکھتی ہے خوف جاں ہر عزم کے اندر ؛ ہراساں بزم کے اندر، گریزاں رزم کے اندر
غلامی میں ارادے پختگی پیدا نہیں کرتے ؛ دلوں کو حسن استقلال پر شیدا نہیں کرتے
غلامی آدمی سے آدمیت چھین لیتی ہے ؛ عمل دیتی ہے لیکن حسن نیت چھین لیتی ہے
غلامی ذوق کی قاتل، غلامی فکر کی دشمن ؛ عدوئے خود شناسی اور خدا کے ذکر کی دشمن
غلامی عقل سے خالی غلامی عشق سے عاری ؛ غلامی طالب آرام جو پائے ہوس کاری
جہاد زندگی میں خنجر جلاد کے ڈر سے ؛ غلام اپنی ہی گردن کاٹتے ہیں اپنے خنجر سے
غلامی کی نگاہیں مار والے تک نہیں جاتیں ؛ الجھ پڑتی ہیں پردوں سے حقیقت تک نہیں جاتیں
غلامی اپنے ہاتھوں اپنی زنجیریں بناتی ہیں ؛ پہن کر پھر یہ زیور ناچتی ہے اور گاتی ہے

[یزید] نے اپنے لئے جو آگ کی زنجیریں بنائی ہیں جن کو پہن کر وہ جہنم میں ناچے گا۔ اور گائے گا اس کو تو [جہنم] میں اس کا ساتھ دینے والے ہی دیکھ سکیں گے وہ بزدل اس کے کرایہ کے سپاہی جن بدبختوں نے [تین یوم] تک اس شیر کے بچے کو یعنی شیر خدا کے فرزند کو اور اس کے خاندان کو اس لئے پیاسا اور [بھوکا] رکھا کہ یہ اگر تازہ دم رہیں گے تو ان سب کا صفایا کر دیں گے اور تین دن کے بھوکے پیاسے مردان خدا [سے] بھی بالمقابل تنہا مقابلہ کی ہمت نہ پاکر ایک کے مقابلہ ہزاروں نے اپنے بزدلی کے جوہر دکھائے [اور] قریب سامنے آکر مقابلہ کر سکنے کی قوت نہ پاکر پہلے دور ہی سے ہر ایک شیر پر ہزاروں بزدلوں نے [تیروں] کی بارش شروع کی اور ایک کا مقابلہ ہزاروں نے کر کے اپنا لوہا منوانا چاہا یزید کے ایسے [بز]دل کرائے کے سپاہی کی تعریف حفیظ جالندھری نے اس طرح کی ہے کہ گویا ایسا معلوم ہوتا ہے [کہ] یزید بد دماغ اور اس کے ابلیس نما جہنم نصیب، گورنر ابن زیاد کے لدائے کئے ہوئے سپاہیوں [کی] ہر سپاہی کی حقیقی تعریف ہے اور ابن سعد منحوس پر بھی اس کا الحاق ہوتا ہے۔

یزید کا بزدل ہر کرائے کا سپاہی

کرائے کا سپاہی موت کے سائے سے ڈرتا ہے ؛ یہ اکثر مرتبہ مرتا ہے اور بے موت مرتا ہے
کرائے کا سپاہی پیشہ ور جلاد ہوتا ہے ؛ غلام زر شہید ذوق استبداد ہوتا ہے
نہیں ہوتا ہے اسکے دل میں جذبہ جاں نثاری کا ؛ مثال اس کی ہے ایسی جسطرح کتا شکاری کا
یہ صید نرم کے پیچھے بڑی گرمی دکھاتا ہے ؛ مقابل شیر آجائے تو اکثر دم ہلاتا ہے
اسی صورت غلامانِ یزید آئے تھے لڑنے کو ؛ بزعم خویش گویا بھیڑ بکری کے پکڑنے کو

مقابل میں نظر آئی جو صورت ان کو شیروں کی
ہوئی سرد ایک ہی جھپکی میں گرمی ان دلیروں کی (حفیظ جالندھری)

ہم نے حفیظ جالندھری کی زبان میں یزید بزدل اور اس کے کرایہ کے سپاہی کا نقشہ پیش
علامہ اقبال کی زبان میں حضرت حسینؓ امام عالی مقام اور یزید ادنیٰ مقام کا مقابلہ کرتے ہیں

آئین جواں مرداں حق گوئی و بیباکی ؛ اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

درحقیقت امام عالی مقام اور آپ کے ساتھیوں کا آئین حق گوئی و بیباکی کا معیار کس قدر
چونکہ یہ جوانمرد اللہ کے شیر تھے۔ یزید بزدل کے سپاہی نہ تھے روباہی (لومڑی پن) یعنی
کی مکاری کے انداز کو وہ اپنائے ہوئے نہ تھے

بھروسہ کر نہیں سکتے غلاموں کی بصیرت پر ؛ کہ دنیا میں فقط مردانِ حُر کی آنکھ ہے بینا

یزید خود ایک اللہ سے بھاگا ہوا نفس امارہ کی غلامی کا شکار ایک غلام تھا اور اس کے کا
تو غلام در غلام تھے ان سب ایمان فروخت کردہ پر بھروسہ ہی کیا کیا جا سکتا تھا۔ ان بدنصیب
کی بصیرت ہی کیا تھی کہ ان پر بھروسہ کیا جا سکے۔ دنیا میں مردان حر کی آنکھ بینا ہوتی ہے
حقائق دیکھ سکتی ہے۔ یہی بات اپنے عمل سے امام عالیجاہؓ اور آپ کے ساتھیوں نے
کر دی۔

نہیں ہے صاحب امروز جس نے اپنی ہمت سے ؛ زمانے کے سمندر سے نکالے گوہر فردا

صاحب حُر حقیقی آزادی کے حامل تو امام عالی مقام اور آپ کے مٹھی بھر ساتھی تھے جنہوں

اپنی ہمت سے زمانے کے سمندر سے حقائق کے وہ گوہر نکالے کہ ان کی چمک آج تک زمانے کی آنکھوں کو چکا چوند کر رہی ہے یہ کام تو صرف مردان حر ہی کر سکتے ہیں غلاموں سے اس لئے ممکن نہیں کہ
نظر آتے نہیں بے پردہ حقائق ان کو ; آنکھ جن کی ہوئی محکومی و تقلید سے کور
یزید اور اس کے ساتھ رہنے والے سب کے سب ایسے غلام تھے کہ جو دراصل محکومی اور نفس امارہ کی تقلید نے سب کو اندھا بنا رکھا تھا۔ ترین مبین کے بے پردہ حقائق نہ ان غلام سیرت اور کم بصیرت انسان نما جانوروں کو نظر آرہے تھے کہ احکام اسلام کیا ہیں؟ وہ جس کے مقابل آکھڑے ہیں وہ کس قدر اعلیٰ مقام کا حامل ہے۔ اور کس کا فرزند کس کا لخت جگر ہے۔ کس بلند المرتبت پیغمبرؐ کی جان ہے جس کو بلا شبہ جانِ اسلام کہنا چاہیئے۔ گویا یہ بد بخت اسلام کی روح و جان سے برسر پیکار تھے چونکہ بوجہ محکومی و غلامی ان کی آنکھیں ظالم حاکم کی تقلید کرنے سے اندھی و نابینا ہو چکی تھیں اور بے پردہ حقائق بھی ان کو نظر نہ آتے تھے۔

۱۔ آزاد کی اِک آن ہے محکوم کا اِک سال ; کس درجہ گراں سیر ہیں محکوم کے اوقات
۲۔ آزاد کا ہر لحظہ پیام ابدیت ; محکوم کا ہر لحظہ نئی مرگ مفاجات
۳۔ آزاد کا اندیشہ حقیقت سے منور ; محکوم کا اندیشہ گرفتار خرافات
۴۔ محکوم کے حق میں ہے یہی تربیت اچھی ; موسیقی و صورت گری و علم نباتات

مندرجہ بالا اشعار کا مطلب

(۱) امام حسین رضؓ عالی مقام اور آپ کے ساتھی باوجود مصائب بھوک پیاس کے جس قدر اطمینانِ قلب سے بسر فرما رہے تھے انہیں روحانی اور قلبی سکون نصیب تھا چونکہ یہ مردان حر تھے وہ اپنی زندگی کا پریشان کن لمحہ بھی فرحت بخش انداز سے بسر فرما رہے تھے۔ برخلاف اس کے یزید غلام اور اس کے غلاموں کے لئے وہی لمحہ بحض نفس اور دنیا کی غلامی میں بسر ہونے کی وجہ سے بڑا کٹھن بن کر گزرتا تھا چونکہ یہ غلام سکونِ قلب کی دولت سے امام عالی مقام کی طرح بہرہ ور نہ تھے۔ (۲)۔ امام حسین رضؓ اور آپ کے ساتھیوں کا ہر لحظہ آپ کو پیام ابدیت دے رہا تھا برخلاف اسکے غلام یزید اور اس کے غلاموں کا ہر لحظہ سیاہ قلبی کی بناء پر باعث پریشانی اور دنیا و آخرت کی موت اور خرابیوں کا باعث بن کر گزر رہا تھا۔ (۳) امام رضؓ عالی مقام آزاد روشن خیال کا ہر خیال ہر فکر حقیقت سے منور تھی اور یزید محکوم بدبخت کی ہر فکر بے فضول خرافات یعنی واہی تباہی خیالات ہی کو تھام دینے والی تھی جس طرح یہ بدنصیب خرافات میں گرفتار ہو چکا تھا اس کا اندیشہ بھی گرفتار خرافات ہو چکا تھا۔
(۴) ان حالات میں یزید سے بہادری اور اہل ایمان کی طرح زندگی گزارنا ممکن نہ تھا۔ بلکہ اس غلام ابدی کی

و غلامی کے لئے اپنا وقت گزار نے اپنی قلب کی بے چینیوں اور ... کو چھپانے موسیقی راگ و رقص اور اس طرح کی صورت گری میں مصروف ہو کر جینے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔

۱۔ محکوم کا دل مردہ و افسردہ و نومید ؛ آزاد کا دل زندہ و پرسوز و طرب ناک

۲۔ آزاد کی دولت دل روشن نفس گرم ؛ محکوم کا سرمایہ فقط دیدۂ نمناک

۳۔ ممکن نہیں محکوم ہو آزاد کا ہمدوش ؛ وہ بندۂ افلاک ہے یہ خواجۂ افلاک

(۱) ۔یزید غلام صفت کا دل اپنے بدکاریوں اور گناہوں کی بناء پر افسردہ مردہ و ناامید بنا ہوا تھا۔ اور امام عالی مقام مرد حق و مرد آزاد کا دل اللہ پاک کے نور سے زندہ روشن اور حق الہٰی کے سوز سے لبریز تھا۔

(۲)۔ مرد حق و مرد آزاد امام عالی مقام کی دولت ایک روشن قلب تھا اور گرم سانس تھی کہ ہر سانس میں ایمان کی گرمی موجود تھی اور یزید محکوم عاجز و غلام کو تو ایک دیدہ نمناک یعنی اپنی بدکاریوں پر آنسو بہانے والا دیدہ و آنکھ میسر تھی۔

(۳)۔کیا مجال ہے اور یہ کیسے ممکن ہے۔ یزید بدکردار غلامانہ بصیرت رکھنے والا حریت پسند فلک المرتبت امام عالی مقام کی برابری کا دعویٰ کر سکے۔ یزید ادنیٰ مقام تو افلاک کا غلام ہے۔ افلاک کی غلامی اسکے تقدیر کی نہ مٹنے والی لکیریں ہیں اور امام بلند کردار بلند مقام مرد حق مرد حر تو ان تمام افلاک و آسمانوں کے آقا مولا اور خواجہ ہیں۔ جبکہ افلاک کی غلامی یزید ادنیٰ کے مقدر میں ہے۔

اور آگے چل کر علامہ اقبال غلام اور آزاد مرد کے فرق کو یعنی امام عالی مقام اور یزید لدنی مقام و غلام کے فرق کو اس طرح سمجھا رہے ہیں۔

نکتۂ می گویمت روشن چو دُر ؛ تا شناسی امتیاز عبد و حُر

عبد گردد یاوہ در لیل و نہار ؛ در دل حر یاوہ گردد روزگار

دمبدم نو آفرینی کار حُر ؛ نغمہ پیہم تازہ ریزد تار حُر

ہمت حر با قضا گردد مشیر ؛ حادثات از دست او صورت پذیر

بندۂ آزاد را آید گراں ؛ زیستن اندر جہاں دیگراں

از غلامی دل بمیرد در بدن ؛ از غلامی روح گردد بار تن

در غلامی تن ز جاں گردد تہی ؛ از تن بے جاں چہ امید بہی

گرچہ بر لب ہائے او نام خداست ؛ قبلۂ او طاقت فرمانرواست

آں خدا نانے دہد جانے دہد ؛ ایں خدا جانے برد نانے دہد

۔ مرد حر از لا الٰہ روشن ضمیر ؛ می نہ گردد بندۂ سلطان و میر

۔ ز محکومی رگاں در تن چناں سست ؛ کہ مارا شرع و آئیں بار دوش است

۔ آں کہ حی لا یموت آمد حق است ؛ زیستن با حق حیات مطلق است

مطلب:۔ (۱) میں تجھ کو ایسا موتی کی طرح روشن و چمکدار نکتہ بیان کرتا ہوں تاکہ تو غلام اور مرد حر میں
جھ سکے۔ (۲) غلام (یزید کی طرح) رات دن یعنی دنیا میں گم رہتا ہے۔ اور مرد حر کے دل میں زمانہ گم رہتا ہے
کہ امام حسینؓ کے دل میں گم تھا ہے۔

مرد آزاد (امام حسینؓ) کا کام ہر لمحہ ایک نئی بات یعنی نئی نیکی کو جنم دیتا ہے۔ مرد آزاد کے ستار سے تو
زندگی کے تازہ نغمے پیدا ہوتے ہیں۔
آزاد یعنی مرد حر (امام حسینؓ) کی ہمت تقاضائے قدرت کی مشیر بن جاتی ہے ایسے مرد حر کے مبارک ہاتھ سے
ت حسنہ ظہور پذیر ہوتے ہیں۔

بندہ آزاد (امام حسینؓ) کو سوائے خدا کے دوسروں کی دنیا میں یعنی غلامی میں رہنے سے گرانی محسوس
ہوتی ہے۔
غلام کا دل (یزید کا دل) غلامی سے جسم کے اندر مردہ ہو جاتا ہے اور روح جسم و تن پر بوجھ بن
جاتی ہے۔
غلامی میں جسم جان و روح سے خالی ہو جاتا ہے گویا یزید کی طرح جس میں نہ جان ہو نہ روح تو
اس سے اچھائی کی امید ہی کیا؟
اگرچہ غلام کی زبان پر دکھاوے کیلئے (یزید کی طرح) خدا کا نام آتا ہے مگر اس کا قبلہ اپنے بادشاہ
س امارہ کی اطاعت کرنا ہوتا ہے۔

آزاد کا خدا آزاد کو روٹی بھی دیتا ہے اور جان بھی عطا کرتا ہے۔ یزید کا سا بدبخت جب خدا
ہے تو روٹی دیتا ہے جان لے لیتا ہے۔

مرد آزاد (امام حسینؓ) روشن ضمیر ہوتا ہے اور ایسا عالی مقام مرد آزاد بادشاہوں اور امیروں کا
بنتا۔
کومی و غلامی سے (یزید کی) رگیں ایسی سست ہو گئی تھیں کہ [illegible] پابندی) کندھوں کا بوجھ
تھی۔ (۱۲) یہ جو کہا گیا ہے کہ اہل حق (امام حسینؓ) کو موت نہیں آتی بالکل صحیح ہے کیونکہ اللہ کے بن کر جینا ہی حیات
ہے۔ آزادی و غلامی کے پیچیدہ مسئلہ کو شہادت امامؓ سے تا قیامت [illegible] بصیرت فرما دیا ہے

امام عالی وقار اور فلسفہ علم عشق و عمل اور میدان کربلا

امام عالی مقام حضرت حسینؓ سے تعلق سے بعض تاریخی علم رکھنے والے کہتے ہیں کہ آپ کا بے اعتبار کوفیوں کے دعوت ناموں کی بناء پر کربلا میں اپنی ذات مبارک ہی کا نہ جانا قرین مصلحت نہ تھا تو دور جاتے کہ معہ اہل و عیال کے تشریف لے جانا قطعی تقاضا دور اندیشی نہ تھا۔ ایسے علم کے بارے میں علامہ فرماتے ہیں

عشق کی تیغ جگر دار اڑالی کس نے ؛ علم کے ہاتھ میں خالی ہے نیام اے ساقی
علم نے مجھ سے کہا عشق ہے دیوانہ پن ؛ عشق نے مجھ سے کہا علم ہے تخمین و ظن
عشق سکوت و ثبات، عشق حیات و ممات ؛ علم ہے پیدا سوال، عشق ہے پنہاں جواب
علم کی گرمی سے ہے معرکہ کائنات ؛ علم مقام صفات عشق تماشائے ذات
بندۂ تخمین و ظن کرم کتابی نہ بن ؛ عشق سراپا حضور علم سراپا حجاب
علم میں دولت بھی ہے قدرت بھی ہے لذت بھی ہے ؛ ایک مشکل ہے کہ ہاتھ آتا نہیں اپنا سراغ
زندگی کچھ اور شئے ہے علم ہے کچھ اور شئے ؛ زندگی سوز جگر ہے علم ہے سوز دماغ

علامہ اقبال نے "سرِ حادثہ کربلا" کے عنوان کے تحت عشق اور عقل پر بھی بہت ہی فلسفانہ سیر حاصل بحث فرمائی ہے۔

مومن از عشق است و عشق از مومن است ؛ عشق را نا ممکن ما ممکن است

مومن تو عشق الٰہی ہی سے مراد ہے۔ عشق الٰہی اور مومن کا اس قدر گہرا اور عمیق تعلق ہے کہ یہ کہنا بالکل صحیح ہوگا کہ مومن اگر ہے تو عشق الٰہی سے اور اگر عشق الٰہی ہے تو مومن سے عشق الٰہی ہر ناممکن کام کو ممکن بنا کر دکھا دیتا ہے۔ اور عشق کے بارے میں فرماتے ہیں

اگر ہو عشق تو ہے کفر بھی مسلمانی ؛ نہ ہو تو مرد مسلماں بھی کافر و زندیق
عشق کے ہیں معجزات سلطنت و فقر و دیں ؛ عشق کے ادنیٰ غلام صاحب تاج و نگیں
عشق مکان و مکیں، عشق زمان و زمیں ؛ عشق سراپا یقین اور یقیں فتح باب
عشق پہ بجلی حلال، عشق پر حاصل حرام ؛ عشق ہے ابن الکتاب، عشق ہے ام الکتاب
عشق دم جبرئیل، عشق دل مصطفیٰ ؛ عشق خدا کا رسول، عشق خدا کا کلام

ایک طرف اللہ پاک سراپا حسن بن کر اپنے عاشق حسینؓ سے عشق کی تکمیل مانگ رہے ہیں تو اپنے مقام پر

یہ ہے کہ قرار امام عالی وقار کے لئے آیا ممکن ہے جب کہ آپ خود عشق کی انتہائی بلندی پر ہیں ــ
کی بے نیازی اور حسن کامل دیکھ کر امام عالی جاہ کا عشق امام عالیمقام کو یوں سمجھا رہا ہے۔

عشق بلند مآل ہے رسم و رہِ نیاز ہے ؛ حسن ہے مست ناز اگر تو بھی جواب ناز دے

عاشقان امام حسینؓ سے زمانہ سوال کر رہا ہے کہ اے امام جلیل القدر ! تجھے تو عشق الٰہی نے ذوق سے آشنا کر دیا ہے۔ تو عام طور پر تجھے لازم ہے کہ اس بزم دنیا کو اور خاص طور پر تیرے نانا کی تو شمع بزم عشق کی صورت بن کر ایسی رہنمائی و رہبری فرما کہ انھیں بھی سوز و ساز حاصل ہو سکے۔ رح سوز میں انھیں بھی مزا آنے لگے۔

عشق نے کر دیا تجھے ذوق تپش سے آشنا ؛ بزم کو مثل شمع بزم حاصل سوز و ساز دے

رہا تھا کہ اے جلیل القدر عاشقوں کے امامؓ ! تیرے نانا کی امت کے نوجوانوں کو تیرے انداز عشق کی فیض ہے

بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے ! ؛ مسلماں نہیں راکھ کا ڈھیر ہے
شراب کہن پھر پلا ساقیا ! ؛ وہی جام گردش میں لا ساقیا!
خرد کو غلامی سے آزاد کر ؛ جوانوں کو پیروں کا استاد کر
ہری شاخ ملت ترے نم سے ہے ؛ نفس اس بدن میں ترے دم سے ہے
تڑپنے پھڑکنے کی توفیق دے ؛ دلِ مرتضیٰؓ سوزِ صدیقؓ دے
جگر سے وہی تیر پھر پار کر ؛ تمنا کو سینوں میں بیدار کر
ترے آسمانوں کے تاروں کی خیر ؛ زمینوں کے شب زندہ داروں کی خیر
جوانوں کو سوز جگر بخش دے ؛ مرا عشق میری نظر بخش دے
بتا مجھ کو اسرارِ مرگ حیات ؛ کہ تیری نگاہوں میں ہے کائنات
مِری دیدۂ تر کی بے خوابیاں ؛ مِرے دل کی پوشیدہ بے تابیاں
مِرے نالۂ نیم شب کا نیاز ؛ مِری خلوت و انجمن کا گداز !
امنگیں مِری آرزوئیں مِری ؛ امیدیں مِری جستجوئیں مِری
مِری فطرت آئینہ روزگار ؛ غزالان افکار کا مرغزار

جوانوں کو سوز جگر بخش دے
مرا عشق میری نظر بخش دے (اقبال)

ب زمانہ کی مندرجہ بالا پکار دوسری جانب عشق کی انتہائی منزل امام کے سامنے تھی ـــ

عقل سفاک است و او سفاک تر ؛ پاک تر چالاک تر بے باک تر

عقل در پیچاکِ اسباب و علل ؛ عشق چوگان بازِ میدانِ عمل

عشق صید از زورِ بازو افگند ؛ عقل مکار است و دامے می زند

عقل را سرمایہ از بیم و شک است ؛ عشق را عزم و یقین لاینفک است

آن کند تعمیر تا ویران کند ؛ این کند ویراں کہ آباداں کند

عقل چوں باد است ارزاں در جہاں ؛ عشق کمیاب و بہائے او گراں

عقل محکم از اساسِ چون و چند ؛ عشق عریاں از لباسِ چون و چند

عقل می گوید کہ خود را پیش کن ؛ عشق گوید امتحانِ خویش کن

، از فضل است و با خود در حساب

، گوید بندہ شو آزاد شو

اش را ساربان حریت است

، با عقلِ ہوس پرور چہ کرد

نام کر جاتا ہے اب عقل کے تعلق سے کہا جا رہا
سباب و علل کے بندھوں بندھی رہتی ہے
اسے تو انجام تباہی اور موت ہوگا اگر ہم راہ خدا
کیلئے آمادہ بھی ہوتی ہے اور اجازت بھی
یکن عشق میدان جنگ ہو کہ کوئی میدانِ عمل
ا بلکہ وہ اپنے معشوق کا مزاج اور رجحان
کی چکروں میں نہیں رہتا بلکہ بے خوف نڈر
، کیوں نہ ہو کر گزرتا ہے۔ عقل مکار و دام
ے ہوتا ہے عشق کا سرمایہ عزم پکا ارادہ
ن کر دیتی ہے۔ عقل کی کی ہوئی ویرانی
شق عقل سے زیادہ تباہی و ویرانی اور فنا
ہاتھوں نصیب ہوئی فنا کو عشق دائمی حیات
شق بہت ہی کمیاب و بیش بہا اور گراں قیمت

ل کی بنیاد" چوں و چند "یعنی ایسا ہو تو کیا ہو ویسا ہو تو کیا ہو" پر ہوتی ہے۔ عشق " ایسا ہو تو کیا ہو تو کیا ہو" کا لباس زیب تن نہیں کرتا عقل ہمیشہ یہی کہتی ہے اور مطالبہ کرتی ہے کہ اپنے آپ کو بجائے عیش و عشرت راحت، مسرت کیلئے اپنے آپ کو پیش کرو مگر عشق یہ کہتا ہے کہ خود کو امتحان خداوندی ں کردو۔ عقل دوسروں سے آشنائی رکھتی اور ان سے مفاد حاصل کرنے کی دھن میں رہتی ہے عشق خود نل سے اپنے حساب میں مشغول و مصروف رہتا ہے۔ عقل ہمیشہ یہ چاہتی ہے کہ خوش رہو آباد رہو اہے اللہ کا بندہ بن کر رہ اور ہمیشہ اللہ کی آزمائش میں وقت گزار دے عشق کے لئے اگر آرام عبادا ر ہو سکتی ہے تو حریت ہے۔ عشق کی اونٹنی کو حریت کا ساربان یعنی شتربان ہی چلا سکتا ہے مختصر یہ کہ ں ہی حیات ابدی دیتی ہے۔ اور عشق الٰہی کے لئے اس کی جان اور ضرورت ہے حریت۔

اللہ اللہ بائے بسم اللہ پدر ؛ معنی ذبح عظیم آمد پسر
بہر آں شہزادۂ خیر الملل ؛ دوش ختم المرسلین نعم الجمل

الٰہی حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیلؑ کا تھا کہ باپ نے اپنے عشق الٰہی کی انتہا پر پہونچ کر بیٹے کرنے، بیٹے نے بھی عشق الٰہی کی انتہا پر پہونچ کر اللہ پر قربان ہونے عملی اقدام کیا جس کی گواہی بد کی یہ آیت دیتی ہے کہ وَفَدَیْنٰہُ بِذِبْحٍ عَظِیْمٍ (۳۷ : ۱۰۷) (ہم نے ایک بڑا ذبیحہ اس کے ے دیا) یعنی یہاں تو معاملہ ذبیحہ تک محدود رہا اس عشق کی تکمیل ان دونوں کے پوتے حسینؓ کو جو ختم المرسلینؐ کے کندھے کا پیارا اور بہترین سوار تھا اور جس کا عشق الٰہی اپنی انتہائی بلندیوں پر تھا ے تو امامؓ کے اپنے نانا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج کی جست تھی اور ادھر امام حسینؓ کی کربلا جست تھی کہ آپ کو عرش پر پہنچا دیا۔

عشق کی اک جست نے طے کر دیا قصہ تمام ؛ اس زمین و آسماں کو بیکراں سمجھا تھا میں
نگاہِ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر ؛ وہی قرآں وہی فرقاں وہی یٰسین وہی طٰہٰ (اقبال)

حسینؓ بلند مقام کے عشق الٰہی کے یہ مقامات تھے تو کربلا کا میدان جہاں امام ذیشان کے لئے کرب بلا نہیں عشق الٰہی اور راز و نیاز کا میدان بن گیا وہیں یزید اور اسکی بزدل فوج کے لئے ابلیس کو کرنے کا میدان بنا ہوا تھا۔ اللہ پاک کے عشق صادق نے امامؓ کو بے خوفی کا خرقہ پہنا کر بے خوف تھا اور " انتم الاعلون" یعنی تم سب سے اعلیٰ ہو کہکر برتری کا تاج آپ کے سر مبارک پر رکھ دیا حقیقت کو اقبال یوں بیان کرتے ہیں۔

خرقہ لا تحزنوا اندر برش ؛ انتم الاعلون تاجے بر سرش

امام عالیمقام میدان عمل و کردار میں

علامہ اقبال عمل کے تعلق سے فرماتے ہیں ۔

ندرت فکر و عمل کیا شئے ہے ذوق انقلاب ؛ ندرت فکر و عمل کیا شئے ہے ملت کا شباب
ندرت فکر و عمل سے معجزاتِ زندگی ؛ ندرت فکر و عمل سے سنگ خارا لعل ناب

امام عالی مقام حضرت حسینؓ نہ صرف میدان کربلا میں بلکہ پوری زندگی سراپا عمل و کردار و مجسم ایثار بنے رہے

عبادت

حضرت حسینؓ کو تمام عبادات ہی سے سروکار تھا لیکن نماز آپ کی محبوب عبادت تھی ۔ زہے نصیب کہ نماز کی مکمل تعلیم تربیت آپ نے خود اپنے نانا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل فرمائی تھی اس لئے نماز میں انہماک و حضوری قلب اپنی انتہا پر تھے ۔ آپ شب و روز میں ایک ایک ہزار نوافل ادا فرمایا کرتے روزے کثرت سے رکھتے حج بھی کثرت سے فرماتے چنانچہ پچیس ۲۵ حج پا پیادہ ادا کئے ۔

جود و سخا و منکسر المزاجی

حضرت حسینؓ کا جود و سخا کا دریا ہمیشہ طغیانی پر رہتا تھا کوئی سائل آپ کے در سے خالی ہاتھ کبھی نہ گیا منکسر المزاجی کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ آپ سواری پر جا رہے تھے کہ راستے میں کچھ فقرا بیٹھے کھانا کھا رہے تھے ۔ انہوں نے آپ کو دیکھا تو مدعو کیا۔ اللہ اکبر! یہ شہزادہ فوری سواری سے اترا اور فقیروں کیساتھ کھانے میں شریک ہوا پھر فرمایا تکبر کرنے والوں کو خدا دوست نہیں رکھتا ۔

عفو و کرم

ایک مرتبہ مہمانوں کے ساتھ امام حسینؓ کھانا تناول فرما رہے تھے آپ کا غلام گرم گرم آش کا پیالہ دستر خوان پر رکھنا چاہا اس کے ہاتھ سے امامؓ عالی قدر کے سر پر گر گیا اور گرم گرم آش چہرۂ مبارک پر گر گئی ۔ امام ذی المرتبت نے صرف غلام کو دیکھا اور زبان سے کچھ نہ فرمایا ۔ غلام نے فوری قرآن کی آیت کا ایک ٹکڑا "وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ" پڑھا یعنی (متقی لوگ) غصے کو ضبط کرنے والے ہوتے ہیں امامؓ نے فرمایا "میں نے غصہ کو ضبط کر لیا۔" غلام نے کہا " وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ " اور لوگوں کے قصور دفع کرنے والے ہوتے ہیں ۔ آپ نے فرمایا "میں نے تیرا قصور معاف کر دیا۔" غلام نے آیت کا تتمہ پڑھ دیا " وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ۔ " "اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے" آپ نے اُسی وقت غلام کو آزاد فرما دیا اور انعام بھی عطا فرمایا اسلئے علامہ اقبال نے کہا ہے ۔

جسکا عمل ہے بے غرض اسکی جزا کچھ اور ہے ؛ حور و خیام سے گذر بادہ و جام سے گذر
راز ہے راز ہے تقدیرِ جہانِ تگ و تاز ؛ جوشِ کردار سے کھل جاتے ہیں تقدیر کے راز

ذی وقار اور میدانِ کربلا

جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے امام حسینؓ کو مدینہ کے گورنر ولید نے یزید کی ہدایت پر یزید کی بیعت کے لئے عرض کیا
پ نے غور کے لئے وقت لے لیا تھا۔ آپ بہت غور فرمانے پر بھی یزید کو اس قابل نہ پاتے تھے کہ
سق و زندیق کے ہاتھ پر بیعت کی جائے۔ ادھر اہل عراق کے آپ کو خطوط پر خطوط وصول ہو
تھے کہ آپ ظالم حکومت کے مقابلہ ہماری مدد فرمایئے خلافت قبول فرمایئے ہم آپ کے ہاتھ پر
ت کرنے بے چین و منتظر ہیں۔ امام عالیجاہ کے پیش نظر اپنے نانا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حسب ذیل
تھے۔

(۱) فرمایا آقا نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے جب لوگ ظالم کو ظلم کرتے ہوئے دیکھیں اور اس کا ہاتھ نہ پکڑلیں تو قریب ہے کہ اللہ ان پر عمومی عذاب نازل کردے۔
(۲) بہترین جہاد ظالم اقتدار کے سامنے حق بات کہنا ہے۔ (۳) جو لوگ کسی ظالم سے اپنا حق لینے کے سلسلہ میں مارے جائیں وہ بھی شہید ہیں۔

بجاہؓ ۴ / شعبان ۶۰ھ کو مدینہ طیبہ سے مکہ معظمہ کیلئے روانہ ہوئے۔ مکہ پہنچ کر آپ ساتویں
تک مکہ میں قیام پذیر رہے وہاں بھی کوفیوں کے قبائل کے سرداروں کے پے در پے ڈیڑھ
تشریف لانے کی خواہش کا اظہار کرتے اور آپ کے دستِ مبارک پر بیعت کرنے بے چین و منتظر
کے رہنے اور یزید کے ظلم سے بچانے موصول ہوئے آخر امام ذیشانؓ نے اپنے چچازاد بھائی
یلؓ کو حالات سے باخبر ہوکر مطلع کرنے اپنا قاصد بنا کر معہ اپنے ایک خط کے روانہ فرمایا جب
ؓ کوفہ پہنچے اور کوفیوں نے امام حسینؓ کا خط سنا تو حضرت مسلمؓ کے گرد مارے خوشی کے جمع ہوگئے اور
د کوفیوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ یہ حال حضرت مسلمؓ نے امام حسینؓ کو لکھ بھیجا کہ یہاں سب
بدائی ہیں۔ یہ حالات یزید فاسق کے جاسوسوں نے یزید کو لکھ بھیجے تو یزید ظالم نے یہاں کےحاکم
نیبرؓ نرم خو کو ہٹا کر دوسرا بدکردار ظالم حاکم عبداللہ بن زیاد کو اس ہدایت کیساتھ روانہ کیا کہ
ے سے نکال دے یا شہید کردے۔ ابن زیاد نے مسلمؓ کے گرد جو اٹھارہ ہزار کوفی جمع ہوئے
دھمکی دیکر یا لالچ بتاکر آپ سے علیحدہ کردیا۔ امام مسلمؓ نے گو شجاعت کے جوہر دکھائے لیکن
بن زیاد نے حضرت مسلمؓ کو بے دردی سے شہید کر دیا۔

حضرت مسلمؓ کا خط امام ذیشانؓ کو ملنے کے بعد آپ ۸ ذی الحجہ سنہ ۶۰ھ کو اہلِ بیت کے ساتھ کوفہ روانہ ہوئے یہاں آکر آپ نے حالات ہی کچھ اور پائے۔ حضرت مسلمؓ کی شہادت کی خبر سنی اور کوفیوں کی بے وفائی کا حال دیکھا ادھر بدبخت ابنِ زیاد نے امام حسینؓ کی مکّہ سے نکلنے کی خبر سنتے ہی ایک لشکر حصین بن نمیر کے ہمراہ مقام قادسیہ بھیجا کہ اہلِ کوفہ اور امام حسینؓ میں خط و کتابت کا سلسلہ بند کر دے۔ حضرت حسینؓ موضع شراف سے آگے بڑھے تھے کہ حر بن یزید تمیمی کو ایک ہزار سواروں کے ساتھ ابنِ زیاد کم ظرف نے امام حسینؓ اور آپ کے ساتھیوں کو گرفتار کر کے کوفہ لانے روانہ کیا۔ بحث و تکرار رہی امام حسینؓ ساتھ چلنے تیار نہ ہوئے۔ پھر ابنِ زیاد کا حکم حُر کو ملا کہ حسینؓ کو ایسے چٹیل میدان میں گھیر کر اتارا جائے جہاں پانی نہ ملے۔ آخر ۲ محرم سنہ ۶۱ھ کو نینوی کے میدان میں قافلہ اترا۔ امام عالیجاہؓ نے پاس لوگوں سے اس مقام کا نام پوچھا لوگوں نے کربلا بتلایا۔ امام نے فرمایا یہ تو کرب و بلا کا مقام ہے۔

پانی بند

تیسری محرم سنہ ۶۱ھ کو عمر بن سعد مزید چار ہزار فوج کے ساتھ کوفے میں آیا امام حسینؓ سے یہاں آنے کی وجہ دریافت کی۔ امامؓ نے واقعات سے واقف کرایا کہ "آیا نہیں بلوایا گیا ہوں اگر میرا آنا یہاں پسند نہ ہو لوٹ جاتا ہوں"۔ جب ابنِ سعد نے اس کیفیت سے ابنِ زیاد لعین کو آگاہ کیا تو اس ظالم لعین نے حکم دیا کہ حسینؓ کے لئے پانی بند کر دو۔ ابن سعد کمبخت نے ظالم ابن زیاد کے حکم سے دریائے فرات پر پانچ سو (۵۰۰) سواروں کا ایک دستہ متعین کر دیا اس دستہ نے ساتویں محرم سے پانی اہلِ بیت کے لئے روک دیا حکم یہ تھا کہ پانی گھوڑے پئیں پرندے پئیں شتر پئیں حتی کہ

کافر تلک پئیں تو نہ تم منع کیجیو ؛ اِک فاطمہؓ کے لال کو پانی نہ دیجیو

اب ۹ محرم سنہ ۶۱ھ کو ابنِ زیاد نے شمر کو ابن سعد کے پاس روانہ کیا کہ حسینؓ بن علیؓ سے اسی وقت بیعت لی جائے ورنہ ان پر حملہ کر دیا جائے۔ شمر نے کہا یہ کام تم سے نہ ہو سکے تو فوج میرے حوالے کر دیجائے۔ ابنِ سعد بدبخت پر دنیوی طمع و لالچ کا بھوت سوار تھا۔ جواب دیا یہ کام میں خود انجام دوں گا۔ یزید خود ابلیس کا بندہ بے دام بن چکا تھا۔ اب یزید کے غلاماں جو ابلیس کے چیلے کے چیلے تھے خاندان مصطفےٰ پر ستم ڈھانے کمربستہ ہو گئے ان بدبختوں کی حفیظ جالندھری نے یوں تعریف کی ہے۔

جتاتے تھے کہ ہم بھی ہیں ہمیں بھی ماننا ہوگا ؛ زمانے بھر کے انسانوں سے افضل جاننا ہوگا
ہم اپنی برتری منوائیں گے شمشیر کے دم سے ؛ اگر ہم کو نہیں تم مانتے۔ آؤ لڑو ہم سے
نہ چمکے نور ایماں سے عجب تاریک سینے تھے ؛ بظاہر تھے بڑے اشراف باطن میں کمینے تھے
اگرچہ شعر گوئی میں شہرہ آفاق تھے لیکن ؛ مگر اخلاق کے معیار ہی کچھ اور تھے ان کے

نمود و نام کے عاشق، رسوم بد کے دلدادہ ؛ یہ اس باطل پرستی پہ تھے کٹ مرنے کو آمادہ
اسی باطل پرستی کے خلاف اسلام آیا تھا ؛ طرح دنیا جہاں کا راستہ حسین نے دکھایا تھا

۹ محرم ۶۱ھ امام حسینؓ خیمہ میں تشریف فرما تھے ابن سعد لعین چند آدمیوں کو لئے خیمہ پہ آیا اور حضرت عباسؓ باہر آئے تو امام عالی مقامؓ کی خدمت میں گستاخانہ پیام بھیجا کہ یا تو اطاعت کرلیں یا آمادہ جنگ ہو جائیں امامؓ نے کہلا بھیجا کہ آج کی رات ہم نمازوں اور توبہ و استغفار میں گزارنا چاہتے ہیں کل صبح تصفیہ ہوگا۔ ابن سعد اپنے لوگوں سے مشورہ لے کر پلٹ گیا۔

امام حسینؓ نے اپنے ساتھیوں کو جمع کر کے خطبہ دیا پہلے اللہ پاک کی حمد و ثناء فرمائی پھر فرمایا کل ہمارا مقابلہ اہل باطل سے ہوگا۔ تم میں سے کسی سے انکی سروکار نہیں۔ ہر شخص ایک ایک اونٹ لے لے اور ایک ایک اہل بیت کو لے کر شہروں اور دیہاتوں میں چلے جاؤ مخالفین کو تو میری جان مطلوب ہے۔ سب جانثار کہنے لگے ہم آپ کو چھوڑ کر چلے جائیں اور پھر زندہ رہیں ؟ خدا کی قسم ہم سے تو ہرگز ایسا نہ ہو سکے گا ہم سب باطل پرستوں سے لڑیں گے اور شہید ہو جائیں گے۔

شب عاشورہ اور امام عالیجاہؓ

شب عاشورہ ہے یعنی آج آخری رات ہے۔ عالی مقام امامؓ اور آپ کے ہمراہی خشوع و خضوع میں غوطہ زن نماز پڑھنے استغفار اور دعاؤں میں مصروف و مشغول ہیں۔ کچھ وقت البتہ ہتھیاروں کی صفائی میں صرف کیا گیا۔ ظاہری طور پر یہ فولاد کے ہتھیار صاف کئے جارہے تھے اور روحانی اعتبار سے ذریعہ قرب الٰہی فقر کی تلوار اور خودی کی شمشیر جگر دار کو سان دی جارہی تھی۔

اب امام عالی جاہؓ روشن ضمیر کے سامنے فقر و خودی کا فلسفہ اپنے شباب پر ہے آپ اپنے نانا حضورؐ کی امت کو یہ سمجھانا چاہتے ہیں کہ

چڑھتی ہے جب فقر کی سان پہ تیغ خودی ؛ اک سپاہی کی ضرب کرتی ہے کار سپاہ (اقبال)

فلسفہ فقر و خودی

فقر کے معنی ہیں قلندری درویشی — یہ مقام غنا لیا ہوا بہت اونچا مقام ہوتا ہے صالحین اور اہل دل کیلئے۔ امام عالی جاہؓ جو تمام صالحین اہل دل کے امام آقا و مولا ہیں اور تمام نوجوانان جنت کے سردار ہیں آپ کے مقام فقر کے کیا کہنے — فقر کے معنی محتاجی مفلسی کے بھی آتے ہیں چونکہ صاحب فقر دنیوی حیثیت سے محتاج اور مفلس نظر آتا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ

وہ مفلس ہوتا ہے نہ محتاج بلکہ دنیا پر صاحب فقر کا مکمل قبضہ ہوتا ہے۔ اللہ کا عاشق دنیا کو قابو میں لانے کے بعد اللہ کے لئے دنیا کے لئے عیش و آرام اور دلفریبیوں کو لات مار دیتا اور عشق الٰہی میں مست رہتا اور دنیا کی شان و شوکت سے سروکار منقطع کر لیتا ہے۔ شریعت کے حدود میں رہکر شریعت کی پابندی ضرور کر لیتا ہے۔ لیکن نفس امارہ کا شکاری بن کر نفس امارہ کو زہد اور تقویٰ کے تیروں سے مار مار کر اور دنیا کی نارواو ناواجبی اوا کاریوں اور کافرانہ دلفریبیوں کو عشق الٰہی کی گرمی سے نیست و نابود کر دیتا ہے جب دُنیا حسین دو شیزاہ کا روپ لئے اسے اپنے مقام سے گرانے آگے بڑھتی ہے تو وہ احکام الٰہی کی شمشیر و تقویٰ کے تیروں سے فقر اور خودی کے ہتھیاروں سے دنیا کو مردار بنا کر رکھ دیتا ہے عشق الٰہی میں صاحب فقر ایسا فنا ہو جاتا ہے اور اسی میں اُسے ایسا مزہ آنے لگتا ہے کہ وہ دنیا کی نظروں میں محتاج و مفلس نظر آتا ہے لیکن اسلام کے نقطہ نظر سے وہ بہت ہی محمود مقام پر پہنچ جاتا ہے۔ فقر کے تعلق سے علامہ اقبال فرماتے ہیں کہ

نقطہ اسلام سے یورپ کو اگر کینہ ہے تو خیر ؛ دوسرا نام اس دین کا ہے فقرِ غیور

اس سے بخوبی سمجھ میں آسکتا ہے کہ فقر کا مقام اعلیٰ کیا ہے علامہ فرماتے ہیں مسلمان زوال پذیر ہو گیا۔

یہ فقر مسلمان نے کھو دیا جب سے ؛ رہی نہ دولت سلمانی رض و سلیمانی ع

امام عالی نے فقر کی تعلیم اپنے پدر محترم حضرت علی شہنشاہ فقر سے حاصل فرمائی تھی۔ علامہ لکھتے ہیں کہ جب تک مسلمان اس مقام فقر پر فائز تھے اے اللہ :-

شان آنکھوں میں نہ جچتی تھی جہانداروں کی ؛ کلمہ پڑھتے تھے ہم چھاؤں میں تلواروں کی

ہم جو جیتے تھے تو جنگوں کی مصیبت کیلئے ؛ اور مرتے تھے ترے نام کی عظمت کے لئے

تھی نہ کچھ تیغ زنی اپنی حکومت کے لئے ؛ سر بکف پھرتے تھے کیا دہر میں دولت کیلئے

تجھ سے سرکش ہوا کوئی تو بگڑ جاتے تھے ؛ تیغ کیا چیز ہے ہم توپ سے لڑ جاتے تھے

ہمیں شہادت حسین رض اس فلسفہ فقر کو نمایاں و اجاگر کر کے ہمارے سامنے رکھ دیتی ہے۔ اسی فقر کی حرارت نے یزید بدبخت اور اس کے لعنتی محکوموں کو کس قدر نیچا گرا دیا تھا کہ علامہ فرماتے ہیں۔

کچھ اور چیز ہے شاید تیری مسلمانی ؛ تیری نگاہ میں ہے فقر و رہبانی

مقام فقر ہے کتنا بلند شاہی سے ؛ روش کسی کی گدایانہ ہو تو کیا کہئے

خود دار نہ ہو فقر تو ہے قہر الٰہی

اسی فقر نے امام ذیشان اور آپ کے ساتھیوں کے مقامات کو کس قدر بلند کر دیا تھا۔

نگاہِ فقر میں شانِ سکندری کیا ہے ؛ خراج کی جو گدا ہو وہ قیصری کیا ہے
فقر جنگاہ میں بے ساز و یراں آتا ہے ؛ ضرب کاری ہے اگر سینے میں ہے قلبِ سلیم
علم کا موجود اور فقر کا موجود اور ؛ اشھدان لا الہ ، اشھدان لا اللہ
ہے فکر مجھے مصرعِ ثانی کی زیادہ ؛ اللہ کرے تجھ کو عطا فقر کی تلوار
قبضے میں یہ تلوار بھی آجائے تو مومن ؛ یا خالدِ جانباز ہے یا حیدرِ کرار
خوار جہاں میں کبھی ہو نہیں سکتی وہ قوم ؛ عشق ہو جس کا جسور، فقر ہو جس کا غیور
کسے خبر کہ ہزاروں مقام رکھتا ہے ؛ وہ فقر جس میں ہے بے پردہ روحِ قرآنی

ن فقر کی انتہا کو پہونچ کر امام نے شہادت کو گلے لگایا ہے کتنے فلسفے اور مقامات بلند چھپے ہیں۔ اس ل شہادت میں۔

امام عالیجاہ و مقام خودی

اللہ کے پیارے رسول ﷺ نے فرمایا جس نے اپنے نفس کو پہچانا اس نے خدا کو پہچانا۔ مقام خودی کس قدر اونچا مقام ہے جب ن مقام خودی پر پہنچ جائے تو اس کے لئے مقام کبریائی دور ہی کہاں رہ جاتا ہے۔ آج کی رات م عالی مقام کے راز و نیاز کی رات ہے۔ آج کی رات پکار پکار کر بقول حضرت اقبال کہہ رہی ہے۔

ع کیوں خالق و مخلوق میں حائل رہیں پردے

ج امام عالیجاہ کی خودی شباب پر ہے۔ امام نے اپنی خودی کو اس قدر بلند فرمالیا ہے کہ عرش ے آواز آرہی ہے۔ "بتا تیری رضا کیا ہے"

امام ذیشان خودی کی اس بلند تر بالا چوٹی پر فائز ہیں ـــ

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے ؛ خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

ان اللہ ! قربان جائے امام ذی وقار امام ذیشان بلند مقام کے کہ اللہ پاک امام عالیجاہ سے کی رضا اور مرضی پوچھ رہا ہے۔ اور امام عالیجاہ اللہ پاک کو جواب دے رہے ہیں کہ اے میری بِ جلیل ! تیری رضا میں میری رضا ہے۔ تیری آزمائش میں میری بقاء ہے۔ تیری راہ میں جان ن کرنے ہی میں اس عاشق کیلئے فخر کی راہ ہے۔ اے مولا ! تو مجھے میرے دادا اسمٰعیل ذبیح سے راہ قربانی کے راستوں میں پیچھے نہ پائے گا۔

آج کی آخری شب ہے عرش پر خدا ہے میدانِ کربلا میں حسین ہیں اور آپ کی شباب پر آئی خودی ہے۔ آپکی بلند تر بالا مقام خودی پر خود خودی طاری ہے اور آپکی خودی آج شب دولہن گیا ہے۔

خودی کی جلوتوں میں مصطفائی ؛ خودی کی خلوتوں میں کبریائی
زمین و آسمان و کرسی و عرش ؛ خودی کی زد میں ہے ساری خدائی
خودی کے زور سے دنیا پہ چھا جا ؛ مقام رنگ و بو کا راز پا جا
خودی کیا ہے راز درون حیات ؛ خودی کیا ہے بیداری کائنات
خودی جلوہ بدمست و خلوت پسند ؛ سمندر ہے اک بوند پانی میں بند
خودی ہو علم سے محکم تو غیرت جبرئیلؑ ؛ اگر ہو عشق سے محکم تو صور اسرافیلؑ
غریب و سادہ و رنگیں ہے داستان حرم ؛ نہایت اس کی حسینؓ ابتدا ہے اسماعیلؑ
حیات و موت نہیں التفات کے لائق ؛ فقط خودی ہے خودی کی نگاہ کا مقصود
ہو اگر خود نگر و خود گر و خود گیر خودی ؛ یہ بھی ممکن ہے کہ تو موت سے بھی مر نہ سکے
خودی کو جس نے فلک سے بلند تر دیکھا ؛ وہی ہے مملکت صبح و شام سے آگاہ
خودی را از وجود حق وجودے ؛ خودی را از نمود حق نمودے

ترجمہ:۔ خودی کا وجود خدا کے وجود سے اور خودی کی نمود، نمود حق سے ہے۔

آج کی رات امام حسینؓ اور اللہ پاک یعنی عاشق و معشوق کے راز و نیاز کی رات ہے۔ اس عشق کو سمجھنے کوئی وہ مقام کہاں سے لائے کہ اپنے نانا کی امت کا حال زار دیکھ کر آج آخری رات بھی امام عالی آہ و نالہ میں مصروف ہیں۔ یہ فلک رسا نالے عرش تک بقول علامہ اقبال پہنچتے ہیں اور پھر اس عشق سے لبریز نالوں کا جواب عرش سے آتا ہے امام حسینؓ پر حجاب اٹھتے جاتے ہیں اور آپ خطاب الٰہی سے نوازے جاتے ہیں۔

افلاک سے آتا ہے نالوں کا جواب آخر ؛ کرتے ہیں خطاب آخر اٹھتے ہیں حجاب آخر!
احوال محبت میں کچھ فرق نہیں ایسا ؛ سوز و تب و تاب اوّل سوز و تب و تاب آخر!

ادھر نانا حضورؐ کی امت کے لئے بے چین نواسے۔ امت کی بخشش کے لئے بے چین ۔ ادھر نانا حضورؐ کی امت کی محبت تو دوسری طرف اللہ پاک کے عشق کی انتہا۔ اپنے لئے کوئی طلب نہ خواہش۔ امت نانا حضورؐ کے لئے دعا جاری۔ فریاد جاری ۔ فریاد کے جواب میں تاخیر تو نگاہیں انتظار جواب میں آسمان پر۔ باری تعالیٰ بھی مسکرا کر اپنے عاشق حسینؓ کو بقول حضرت اقبال یوں جواب دے رہے ہیں

عشق کو فریاد لازم تھی سو وہ بھی ہو چکی ؛ اب ذرا دل تھام کر فریاد کی تاثیر دیکھ (اقبال)

جب شب عاشورہ نے سحر کا روپ بدلا تو امام ذیشان اور آپ کے ساتھیوں کے چہرے فقر اور خودی

سے درخشاں ـ امام عالی جاہؓ اور آپ کے ساتھی فقر اور خودی کے ہتھیاروں سے لیس تھے اور دوسری
یزید اور اس کے غلاموں ابن زیاد ابن سعد اور اس کی فوج کے ہر سپاہی سے خودی سوال کر
ہی ـــ

ترے دریا میں طوفاں کیوں نہیں ہے؟ ؛ خودی تیری مسلماں کیوں نہیں ہے؟
اس مرد خدا سے کوئی نسبت نہیں تجھ کو ؛ تو بندہ آفاق ہے وہ صاحب آفاق
خودی کو جب نظر آتی ہے قاہری اپنی ؛ یہی مقام ہے کہتے ہیں جس کو سلطانی
خودی کی موت سے پیر حرم ہوا مجبور ؛ کہ بیچ کھائے مسلماں کا جامۂ احرام
نہ ہے ستارہ کی گردش نہ بازیٔ افلاک ؛ خودی کی موت ہے تیرا زوال نعمت و جاہ (اقبال)

خاندان علیؓ کے بچے بچے کی خودی کا یہ حال تھا کہ یزیدی فوج سے کہدیا تھا کہ ـــ

خودی کو نہ دے سیم و زر کے عوض ؛ نہیں شعلہ دیتے شرر کے عوض
اک فقر ہے شبیریؓ اس فقر میں ہے میری ؛ میراث مسلمانی سرمایہ شبیریؓ (اقبال)

شب عاشورہ میں تین طرح کی مخلوق اپنے اپنے شغل میں

ب عاشورہ میں تین طرح کی مخلوق ہے جو حسب ذیل طریقوں سے مصروف ہے

نوری مخلوق کو شرمانے والی خاکی مخلوق امام حسینؓ ذیشان اور آپ کے ساتھی جو یقین محکم ایمان کامل سینوں میں بسائے بارگاہ ایزدی میں
ہ ریز اور اپنے فقر خودی اور حریت اسلام اور آئین اسلام کے تحفظ میں مصروف ہیں جن کا ذکر
یا ـــ

ابلیس اپنے مشیروں سے مصروف مشورہ روز کی طرح آج شب عاشورہ بھی ابلیس مجلس شوریٰ کی خصوصی منعقد کئے اپنے
روں سے مصروف مشورہ ہے کہ محمدؐ کے لائے ہوئے اسلام کو جس کی حفاظت حسینؓ کر رہے ہیں
ہ کے ہاتھ پر بیعت کرا کے ختم کر دیا جائے. اس کام کیلئے یزید اور اس کے محکوموں کو اپنا
د بنائے اپنے مشیروں سے مصروف مشورہ ہے ـ

یزید اور اس کے محکوم گویا ابلیس کے ظاہری کارندے

عاشورہ کی رات جہاں امام ذیجاہ رضؓ مصروف عبادت ہیں یزیدی فوج صرف اس فکر اور تخیل میں گم ہے کہ رسولؐ کے نواسے فاطمہؓ کے لال سے یزید کے حق میں بیعت لے کر یا بیعت نہ کرنے کی صورت میں قتل کر کے یزید اور ابن زیاد سے انعام و اکرام اور دنیوی اعزازات حاصل کئے جائیں لیکن پھر بھی اس کے قلب سیاہ پریشان اور روح ان کے جسم میں بار بن چکی ہے۔

ابلیس کی مجلس شوریٰ

ابلیس اپنے مشیروں سے:—

میں نے دکھلایا یزیدؔ کو ملوکیت کا خواب ؛ میں نے توڑا مسجد و دیر و کلیسا کا فسوں (اقبالؒ)

پہلا مشیر۔ یہ ہماری سعیٔ پیہم کی کرامت ہے کہ آج ؛ صوفی و ملا ملوکیت کے بندے ہیں تمام (اقبالؒ)

دوسرا مشیر۔ خیر ہے سلطانیٔ جمہور کا غوغا کہ شر ؛ تو جہاں کے تازہ فتنوں سے نہیں ہے باخبر (اقبالؒ)

تیسرا مشیر:— روح سلطانی رہے باقی تو کیا اضطراب (اقبال)

چوتھا مشیر:— اے ترے سوز نفس سے کار عالم استوار ؛ تو نے جب چاہا کیا ہر پردگی کو آشکار (اقبالؒ)

پانچواں مشیر:— اے آقا! ہماری ترکیب کامیاب ہوئی۔ آج دو دن گزر گئے کہ حسینؓ بن علیؓ کے لئے کھانا و پانی بند ہے لیکن یہ نواسہ پیغمبرؐ دست یزید پر بیعت کرتا نظر نہیں آتا۔ کیا ہماری کوشش رائیگاں جائے گی اب صبح ہونے کچھ ہی دیر باقی ہے۔

میرے آقا! وہ جہاں زیر و زبر ہونے کو ہے ؛ جس جہاں کا ہے فقط تیری سیادت پر مدار (اقبال)

ابلیس کا فرمان اپنے سیاسی فرزندوں کے نام

اے نادانو! حسینؓ ابن علیؓ نواسہ رسولؐ عربی اور ان کے ساتھی بھوکے رہیں کہ پیاسے بیعت نہیں کر سکتے تم نے پانی اور کھانا بند کر کے سمجھ لیا کہ وہ اسلام کا ساتھ چھوڑ دیں گے۔ اے نادانو! فوری میرے حکم پر عمل کرو— جاؤ— اور

وہ فاقہ کش کہ موت سے ڈرتا نہیں ذرا ؛ روح محمدؐ اس کے بدن سے نکال دو
فکر عرب کو دے کے فرنگی تخیلات ؛ اسلام کو حجاز و یمن سے نکال دو
اہل حرم سے ان کی روایات چھین لو ؛ آہو کو مرغزار ختن سے نکال دو (اقبال)

یرا دبا عرض کرتا ہے۔ اے آقا! آپ نے جو کام حسینؓ ابن علیؓ کے تعلق سے ہمارے ذمہ فرما کر حکم صادر فرمایا ہے
رح محمدؐ اس کے بدن سے نکال دو" ہم میں سے کسی کے لئے ممکن نہیں ہے اور اس کے ساتھیوں کے بارے میں میں نے
ے حکم کی تعمیل کی اور انھیں اپنے حسب منشاء بنالیا اس کی وجہ یہ تھی کہ یزید اولاً اس کی امت

جاتا تھا" میں یہ امت حامل قرآں نہیں ؛ ہے وہی سرمایہ داری بندہ مومن کا دین (اقبال)

ں چھپتا ہے جاؤ کوشش کرو کہیں یہ یزیدی کم سمجھ حسینؓ ابن علیؓ کو بیوقوفی سے قتل نہ کردیں حسینؓ سے یزید کے حق میں
ت لیتے چھپی ہیں اسلام کا شعلہ و چراغ گل ہو سکتا ہے اور قتل سے ـــ

قتل حسینؓ اصل میں مرگِ یزید ہے ؛ اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

فوری جاؤ ـــ
عصر حاضر کے تقاضوں سے ہے لیکن یہ خوف ؛ ہو نہ جائے آشکارا شرع پیغمبرؐ کہیں
الحذر آئین پیغمبر سے سو بار الحذر ؛ حافظ ناموس زن مرد آزما مرد آفریں (اقبال)

دِ ـ وقت نہیں ہے ـ فوری جاؤ ـــ اے میرے بہادر کارندوں ـــ حسینؓ بن علیؓ کو بیعت کے لئے آمادہ کرو
، ہمارے کامیابی ہے ـ (ابلیس کی مجلس شوریٰ برخواست ہوتی ہے اور کارندے منتشر ہوجاتے ہیں)۔

روز عاشورہ اور شہادت عظمیٰ

بح عاشورہ رات تمام عبادات الٰہی میں بسر کیا ہوا لشکر حسینی باطل کے مقابل آکھڑے ہونے کی تیاریاں کرنے لگا
شکر سے مطلب بہت بڑا لشکر نہیں بقول حفیظ جالندھری کے "ایک چھوٹی سی جماعت مگر بہت اہم"

سنواری تھیں صفیں پھر ایک چھوٹی سی جماعت نے

یہ چھوٹی سی جماعت آج دنیا جسکے در پے تھی ؛ یہ چھوٹی سی جماعت درحقیقت اک بڑی شے تھی
اسے کشت وفا میں آج ایسا بیج بونا تھا ؛ شہیدوں کے لہو سے بار آور جسکو ہونا تھا
یہ بندے خواب ابراہیمؑ کی تعبیر تھے گویا ؛ یہ بندے سورہ الحمد کی تفسیر تھے گویا
جہاں میں دام شیطاں سے یہی آزاد نکلے تھے ؛ خدا کی راہ میں یہ چند آدم زاد نکلے تھے
یہی تھا جیش اوّل امت وسطیٰ کی فوجوں کا ؛ یہی چشمہ تھا نور حق کی دریا بار موجوں کا

حسینؓ حق پرست کا لشکر صرف (۷۲) جاں نثاروں کی ایک مختصر سی جماعت تھی جس کے میمنہ پہ زہیر بن قین میسرہ

پر حبیب بن مظاہر تھے اور عباسؓ علمبردار کے ہاتھوں میں وفاکا مرتبت حسینی علم تھا۔ ادھر یہ مختصر سی مگر بہت اہم جماعت جیساکہ اوپر بیان کیا گیا۔ اللہ اور اسکے رسولؐ کی خوشنودی کے لئے باطل سے ٹکرانے تیار تھی تو دوسری جانب باطل پرستوں لعینوں شامیوں کا چار ہزار کا لشکر یزیدی تھا بقول حفیظ جالندھری

کھڑی تھی دوسری بھی اک جماعت آج میداں میں ؛ مجسم ہو کے آئی تھی خباثت شکلِ انساں میں
خبیث انسان انسانوں میں شیطانوں کے ساتھی تھے ؛ مسلمانوں کے دشمن ہی مسلماں بن کے آئے تھے
جہانِ زیست میں ان کے لئے کوئی نہ تھا اپنا ؛ یہ ہر سودے کے اندر دیکھتے تھے فائدہ اپنا
نہ رغبت دین سے ان کو نہ ذوقِ اسلام تھا انکو ؛ غرض اپنی غرض سے کام اپنے کام سے انکو
یہ اس دنیا و دولت میں اپنی دنیا کسطرح دوں ؛ خدا کا نام لیتے تھے نبیؐ کے تشنۂ خوں تھے
یہ طاقت کی حماقت تھی۔ غروری کی خود نمائی تھی ؛ بشر کی فطرتِ بد تھی مجسم ہو کے آئی تھی
انھیں مطلوب تھی نام آوری بھی قتل و غارت بھی ؛ ستم بھی فتنہ انگیزی بھی اظہارِ امارت بھی

امام عالیجاہؓ نے بغرض اتمام حجت میدان جانے تیاری فرمائی مشک جسم پر ملا ، گھوڑا پر سوار ہوئے قرآن سامنے رکھا اور دونوں ہاتھ اٹھاکر بارگاہِ ایزدی میں دعا فرمائی پھر روز کی طرح آج آخری دن بھی یزیدی فوج کو سمجھانے آئے لیکن یزید معہ اپنے محکوموں کے ابلیس کی گود میں جا بیٹھا تھا۔ اس لئے اللہ نے ان بدنصیبوں کے قلوب پر مہریں فرمادی تھیں اور آنکھوں پر پردے ڈال دئے تھے نہ دیکھ سکتے تھے کہ سامنے کون کھڑا ہے اور نہ سن سکتے تھے کہ کون کیا کہہ رہا ہے۔ امام بلند مقام کا یہ باآواز بلند خطبہ دراصل میدانِ جنگ میں اللہ کی تکبیر کی قوت کا حامل سینے جوشِ کردار سے خدا کی آواز بن کر میدانِ جنگ میں گونج رہا تھا بقول علامہ اقبال

صفِ جنگاہ میں مردانِ خدا کی تکبیر ؛ جوشِ کردار سے بنتی ہے خدا کی آواز

امام عالی مقام نے پہلے اللہ کی حمد بیان فرمائی پھر روز کی طرح ذریعہ خطوط دعوت دے کر آپ کو بلوانے کا ذکر فرمایا اور یہاں رہنا پسند نہ ہو تو واپس جانے کا بھی ارادہ ظاہر فرمایا کہ روزِ حشر کوئی حجت اللہ کے سامنے ان لعینوں کو باقی نہ رہے پھر دریافت فرمایا تم سب جانتے ہو کہ میں تمہارے نبیؐ کا نواسہ تمہارے نبیؐ کے چچازاد بھائی علیؓ اور تمہارے نبیؐ کی بیٹی فاطمہؓ کا بیٹا ہوں کیا میری آبرو ریزی یا خون تمہیں روا اور زیب دیتا ہے۔ تم میرے خون کے پیاسے کیوں ہو؟ کیا میں نے کسی کا خون کیا ہے؟ کسی کا مال لیا ہے؟ کسی کو زخمی کیا ہے؟ اے لوگو! کیا تم نے نہیں سنا کہ تمہارے نبیؐ نے میرے اور میرے بھائی کے تعلق سے فرمایا کہ یہ دونوں جوانانِ جنت کے سردار ہیں۔ سب کے سر خم تھے۔ کوئی جواب نہ تھا۔

امام عالیجاہؓ نے اپنا خطبہ جاری رکھا۔ فرمایا تم اس بات کو تسلیم کرتے ہو کہ تم اس وقت خاندانِ محمدؐ کے

۔ محمدؐ اور خاندان محمدؐ کا فلک کج سیرت نے بارہا امتحان لیا ہے کہ

باطل سے دبنے والے اے آسماں نہیں ہم ؛ سو بار کر چکا ہے تو امتحاں ہمارا

یزید کی بیعت کے لئے مجبور کرتے ہو میرے نانا کے لائے ہوئے مذہب کو شریعت کو میرے ہی ہاتھوں سے مٹانا چاہتے ہو۔ آج پھر سن لو کہ یزید کے ہاتھوں پر بیعت اس لئے نہیں کی جا سکتی کہ اس کا ہاتھ وہ ہاتھ ہے جس پر بیعت کرنے سے اللہ پاک خوش ہو جائیں کیا تم لوگ مجھے اللہ کا معتوب بنانا چاہتے ہو تم ہی کہو کہ کس کا ہاتھ وہ ہے کہ بیعت کی جائے۔

ہاتھ ہے اللہ کا بندہ مومن کا ہاتھ ؛ غالب و کار آفریں کارکشا کارساز (اقبال)

یہ صفات تم یزید میں نہیں پاتے تو کیوں تم زبردستی مجھ سے یزید کی بیعت کے طالب ہو کیا تم خاندانِ مومن اور اس کے صفات کو نہیں جانتے۔

صفاتِ خاندانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

خاکی و نوری نہاد بندہ مولا صفات ؛ ہر دو جہاں سے غنی اس کا دل بے نیاز
اس کی امیدیں قلیل اسکے مقاصد جلیل ؛ اس کی ادا دلفریب اسکی ادا دلنواز
نرم دم گفتگو، گرم دم جستجو ؛ رزم ہو یا بزم ہو پاک دل و پاکباز
نقطۂ پرکار حق مرد خدا کا یقین ؛ اور یہ عالم تمام وہم و طلسم و مجاز
طلوع ہے صفت آفتاب اسکا غروب ؛ یگانہ اور مثال زمانہ گوناگوں۔
نہ اس میں عمر رواں کی حیا سے بیزاری ؛ نہ اس میں عہد کہن کے فسانہ و افسوں
قدرت کے مقاصد کے عیار اسکے ارادے ؛ دنیا میں بھی میزان قیامت میں بھی میزان
جس سے جگر لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم ؛ دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفان
فطرت کا سرود ازلی اسکے شب و روز ؛ آہنگ میں یکتا صفت سورۂ "رحمٰن" (اقبال)

یزیدی فوج جن کو دنیوی اعزاز و طمع لالچ پیش نظر تھا کوئی تقریر ان پر اثر ہی نہ کرتی تھی۔

حُر کی توبہ

حر یک ایک لعنتی فوج کا ساتھ چھوڑ کر امام عالیجاہ رضؓ کے قدموں میں چلے آئے اور امام ذیشان رضؓ سے دریافت فرمایا میری توبہ قبول ہو گی ۔ عالی مقام امام رضؓ نے فرمایا۔ تمہاری توبہ قبول ہو گی ۔ خدا تمہیں بخشے گا۔ حرؓ نے کہا مجھے یہ امید نہ تھی کہ یہ قوم آپ کو اس نوبت تک لے آئے گی۔ حُرؓ زندہ ضمیر نے حسینی رضؓ فوج میں شامل ہو کر یزیدی فوج کو سمجھانے بہت پر اثر تقریر کی لیکن حاصل۔ طبل جنگ پر چوب پڑی ابن سعد لعنتی یزیدی فوج کے جھنڈے کے قریب آکر ٹھہرا اور ایک تیر

امام برحق رضؓ کے لشکر کی طرف چلا کر پکارا لوگو! گواہ رہنا حسین رضؓ کے لشکر پر پہلا تیر میں نے چلایا ہے۔ مقام غور ہے کہ اس نابکار کے والد سعد بن ابی وقاص رضؓ نے راہ خدا میں کافروں پر تیر پہ تیر چلا کر رسول اللہ صلعم سے تحسین حاصل کی تھی آج ان کا جہنمی فرزند لشکر حسین رضؓ پر تیر چلا کر لوگوں کو سنا رہا ہے کہ یزید کی فوجوں میں سے سب سے پہلے جہنم میں یہ لعنتی جائے گا۔ بہرحال اس تیر سے جنگ کا آغاز ہوا۔

شامیوں کی فوج سے دو شخص نکلے جن کا مقابلہ عبید اللہ نے کیا ایک کو قتل کیا دوسرے کو مار گرایا پھر شہید ہو گئے ظالموں نے آپ کی بیوی کو بھی شہید کیا پھر حرؓ نے اپنے شہادت کے پہلے شجاعت و بہادری کے جوہر دکھائے حرؓ کے بعد نافع بن ہلال نے بارہ کو واصل بہ جہنم فرمایا پھر شہید ہو گئے۔

اس جنگ کی تفصیل کیا بیان کی جائے یہ بھی کوئی جنگ کی تعریف تھی کہ دشمن کا لشکر چار ہزار سے زاید مقابل صرف بہتر کے تھا یعنی (۷۲) افراد۔ جب ان میں ایک ایک ہی چار ہزار پر گرتا تو لشکر درہم برہم کر دیتا تو ابن سعد لعین گھبرا جاتا اور فوج کو حکم دیتا کہ تیر چلاؤ۔ دور سے ایک شیر پر ہزاروں تیر چلتے اور یہ بزدل اسی کو بہادری سمجھتے۔ بہرحال حرؓ کے بعد نافع بن ہلال پھر ان کے جانثار مسلم بن عوسجہ اسدی پھر حضرت علی اکبر رضؓ۔ ظہر کا وقت آیا قتل گاہ میں امام عالیجاہ نے صلوٰۃ خوف پڑھی پھر مسلم رضؓ کے فرزند اور دو بھائی شہید ہوئے اس کے بعد عون رضؓ و محمد رضؓ امام کے بھانجے بی بی زینب رضؓ کے صاحبزادوں نے جام شہادت نوش فرمایا پھر لخت جگر حسن رضؓ امام قاسم رضؓ نے جام شہادت پیا۔ دوپہر تک پروانے شمع حسینی قربان ہو گئے حتیٰ کہ علی اصغر رضؓ شیر خوار کو تک لعینوں نے تیر کا نشانہ بنایا۔

قیامت صغریٰ آخر نوبت یہ آگئی کہ امام عالیجاہ رضؓ ہی کو تنہا دشمن کے سامنے آکر اپنے بہادری کے جوہر دکھانے پڑے ان لعینوں کے پاس تیر ہی تو ایسا ہتھیار تھا جو دور سے شیروں پر ہزاروں کی تعداد میں چلایا جا سکتا تھا۔ حسین رضؓ مظلوم کا تمام بدن زخموں سے چور ہو گیا بقول حفیظ جالندھری۔

تھکن کا ہو رہا تھا اب اثر آہستہ آہستہ ؛ لگا جھکنے وہ سر افراز سر آہستہ آہستہ
وہی سر جو ہواؤں سے نہ طوفانوں سے جھکتا تھا ؛ نہ فرعونوں سے جھکتا تھا نہ ہامانوں سے جھکتا تھا
نہ جھکتا تھا کبھی میرو وزیرو شاہ کے آگے ؛ وہ سر۔ اک مرتبہ پھر جھک گیا اللہ کے آگے
تعجب ہے روائے ابر میں سے برق نے جھانکا ؛ کہ یہ اک آخری سجدہ تھا اس مرد مسلماں کا
خدا کی راہ میں خلق خدا کا رہنما بن کر ؛ خود اپنے خون میں ڈوبے ہوؤں کا ناخدا بن کر
شکستہ ناؤ تھی طوفان کی اس چیرہ دستی میں
وہ اپنا فرض پورا کر چکا تھا بحر ہستی میں

ں نے اس سر کو جو بوسہ گاہِ سرورِ دو جہاںؐ تھا جسم اطہر سے جدا کر لیا تھا خاندانِ نبویؐ کا آفتاب
ب ہوگیا علیؓ کا چمن برباد فاطمہؓ کا باغ اجڑ گیا خاندان نبوتؐ کا چراغ آفتاب کی طرح روشنی دینے
تھا شہادت کے دوسرے دن بنی سعد کے قبیلے والوں نے شہداء کے لاشے بے سر دفن کئے کہ سر
کے پاس کوفہ بھیجدیئے گئے جب حضرت حسینؓ شہ سجاد کا سر مبارک ابن زیاد کے سامنے پیش ہوا تو یہ لعین
لب و دندان مبارک کو چھیڑنے لگا حضرت زید بن ارقمؓ تشریف فرما تھے فرمایا اپنی چھڑی ہٹا میں
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان لبوں کو بوسہ لیتے ہوئے دیکھا ہے آپ یہ فرماتے ہوئے رو نے

لُبِّ لُباب فلسفہ شہادتِ امام حسینؓ اور فلسفہ خیر و شر

ت اسلامیہ و سرِ حادثہ کربلا کے آخر میں لکھتے ہیں۔

خونِ او تفسیر این اسرار کرد	ملتِ خوابیدہ را بیدار کرد
تیغ لا چوں از میاں بیروں کشید	از رگ اربابِ باطل خوں کشید
نقشِ الا اللہ بر صحرا نوشت	سطرِ عنوانِ نجاتِ ما نوشت
موسیٰ و فرعون و شبیر و یزید	ایں دو قوت از حیات آید پدید
زندہ حق از قوتِ شبیری است	باطل آخر داغِ حسرت میری است

مطلب :- خونِ امامؓ بہت سے رازوں کی تفسیر و تفصیل اپنے نانا حضورؐ کی ملت کے سامنے
تا ہے یعنی جیساکہ بیان کیا گیا مسلمان کے لئے یقین محکم ایمان کامل کا کیا معیار رہنا چاہیئے۔ دنیا کا بادشاہ
ہے زمین پر کوئی دوسرا بادشاہ ہونے کا دعویٰ نہیں کرسکتا البتہ اللہ کا نائب بن کر حکومت اللہ کے
کے تحت کرسکتا ہے یہ انتخاب خلیفہ امت کے انتخاب پر ہے باپ کو حق نہیں کہ اپنے بیٹے کو نامزد
دیا لا ملوکیت فی الاسلام یعنی اسلام میں ملوکیت کے لئے کوئی جگہ نہیں یہ فلسفہ بھی شہادت حسینؓ اجاگر
ہے۔ اسلام نے آزادی اور غلامی کے کیا حدود مقرر کئے ہیں علم عشق و عمل کا حق کس طرح امامؓ نے
یا جو ہمارے لئے موجب پیروی ہے خودی اور فقر کی کس چوٹی پر امام عالی جاہ نے کھڑے ہوکر ہمیں
فقر و خودی دی ہے خیر و شر کیا کیا روپ اختیار کرکے انسان کے سامنے آتے ہیں۔
یہ وہ اسرار ہیں جنکو امام حسینؓ نے اپنی شہادت سے اپنی نانا حضورؐ کی اُمت پر ظاہر ہی نہیں
بلکہ سمجھایا اور خوابیدہ اُمت کو خواب غفلت سے بیدار فرمایا جب لا کی تلوار اپنے نیام سے باہر

نکالی تو اہلِ باطل کی رگوں سے باطل کا خون نکال پھینکا اور نقش اِلا اللہ کربلا کے صحرا پر بڑے جلی حروف میں لکھ چھوڑا کہ

ماسوا اللہ را مسلماں بندہ نیست ؎ پیشِ فرعونے سرش افگندہ نیست

مسلمان سوائے اللہ کے کسی کا بندہ بن ہی نہیں سکتا۔ اور کسی فرعون کے آگے اس کا سر جھک ہی نہیں سکتا۔ یہ وہ سطریں ہیں جو امام رضؓ نے کربلا کے صحرا پر اپنے خون سے لکھ دیئے ہیں جس پر عمل کرنے سے ہماری نجات ہے۔

فلسفہ خیر و شر کو علامہ اقبال یہاں مختصر سے انداز سے اس طرح سمجھاتے ہیں کہ قیام دنیا سے آج تک سر خیر و شر ٹکراتے چلے آ رہے ہیں۔ کبھی موسیٰؑ و فرعون کا روپ لے کر کبھی امام حسینؓ و یزید کی صورت میں یہ ظاہر ہوتے ہیں۔ امام حسینؓ نے اپنے خون سے اپنی قوت سے حق کو صداقت کو اپنے نانا کے مذہب کو زندہ کر دیا اور آخر باطل کو داغ حسرت نے دنیا سے رخصت ہونا نیست و نابود ہوتا نظر آتا ہے۔ پس یہی فلسفہ اور اسرار امام رضؓ نے اپنے نانا حضورؐ کی اُمّت پر کربلا میں اپنی شہادت کے ذریعہ روشن فرمائے ہیں جس میں عملی دو جہاں کی سرخروئی عزت کا موجب ہے۔

قولِ درخشاں امام حسینؓ عالی مقام

"حاکم کے لئے ضروری ہے کہ اسلامی دستور پر چلتا ہو، عدل و انصاف سے پیش آتا ہو، حق کا پابند ہو، اور رضائے الٰہی کے لئے اپنے نفس کو مقید کئے ہوئے ہو۔"

ابلیس کی دوسری مجلس شوریٰ بعد شہادت

ابلیس اپنے مشیروں پر بے حد برہم ہے اور چیخ چیخ کر کہہ رہا ہے کہ تم سب نے میرا حکم نہ مانا حسینؓ ابن علیؓ کو بیعت یزید کے لئے آمادہ نہ کیا کہ اسلام کا جھنڈا سرنگوں ہو جاتا۔ اب حسینؓ نے اپنے خون سے اسلام کو تازہ کر دیا۔ اے بدبختو! تم نے کہا تھا کہ یزید ابن زیاد، ابن سعد، شمر سب تمہارے قابو میں ہیں اور محکوم ہیں تم نے انھیں قتل حسینؓ کرنے ہی کیوں دیا۔

ایک مشیر:- آقا گستاخی معاف! آپ کا حکم کہ "روح محمدؐ حسینؓ اور ان کے ساتھیوں کے بدن سے نکال دو" یہ حکم ہمارے لئے ناممکن سا ہو گیا ہم سب نے کوشش کی حسینؓ اور ان کے ساتھیوں کے قلوب کا کوئی دروازہ اور کھڑکی ہمارے لئے انھوں نے کھلی رکھی ہی نہیں ہمیں تو بہت دور سے پلٹ جانا پڑتا تھا۔

دوسرا مشیر:- آقا! بصد ادب عرض ہے کہ ہم نے یزید ابن زیاد اور ابن سعد اور اس کے ساتھیوں کو جہاں تک تعلیم دی تھی وہ تو اس سے بہت آگے نکل ہی نہیں گئے بلکہ ہمارے کنٹرول سے بھی باہر ہو گئے۔ ایسا لگتا ہے کہ اب ہمیں ان کی قیادت تسلیم کرنی پڑے گی۔

ابلیس:- ہاں تم دونوں نے سچ کہا۔ یزید ابن زیاد، شمر اور ابن سعد وغیرہ کی خدمات وہ ہیں جن کی ابلیسیت آج ہم سب کو شرما رہی ہے۔ دراصل میں نے آدم کو ایسی ناہنجار اولاد پیدا ہونے والی دیکھی تو سجدہ سے انکار کر دیا تھا۔ ٹھہرو علامہ اقبال سے قدرے نظم کے لئے معافی چاہتے ہوئے تجھے اللہ پاک سے معروضہ کر لینے دو۔

ابلیس کی عرضداشت اللہ کے دربار میں

اے نفس و آفاق میں پیدا ترے آیات ؛ حق یہ ہے کہ زندہ و پائندہ تری ذات
کہتا تھا عزازیل خداوند جہاں سے ؛ پرکالۂ آتش ہوئی آدم کی کف خاک
وہ کونسا آدم ہے کہ تو جس کا ہے معبود ؟ ؛ وہ آدم خاکی جو ہے زیر سماوات ؟
جان لاغر و تن فربہ و ملبوس بدن زیب ؛ دل نزع کی حالت میں خرد پختہ و چالاک (اقبال)

"یزید" کے ابلیس ہیں اربابِ سیاست
باقی نہیں اب میری ضرورت تہِ افلاک
(اب یہاں میری گذر ممکن نہیں ممکن نہیں)
"یزید" کے ابلیس ہیں اربابِ سیاست
باقی نہیں اب میری ضرورت تہِ افلاک (اقبالؔ)

درسِ عبرت

ایک لعنتی حاکم اپنے محکوموں کو ان کے کارناموں کے بدلے میں اگر کچھ انعام و اکرام دے سکتا ہے تو وہ لعنت ہی کا سوغات دے سکتا ہے۔ جب یزید کے دربارِ بد میں اخرین قیس نے حضرت حسینؓ اور آپ کے ساتھیوں کے قتل کر دیئے جانے کی اطلاع دی تو یزید آبدیدہ ہوا اور بولا تم لوگ حسینؓ کو قتل نہ کرتے تو میں تم سے زیادہ خوش ہوتا۔ پھر ابنِ زیاد کے بارے میں کہا ابنِ زیاد پر خدا کی لعنت ہو اگر میں ہوتا تو خدا کی قسم حسینؓ کو معاف کر دیتا۔ خدا حسینؓ پر رحمت نازل کرے۔ بقول علامہ فاضل

ادا سے جان لی قتل کر ڈالا ہاتھوں سے ؛ میری میت پر آکر خود کفِ افسوس ملتے ہیں

حالانکہ کوفہ کے حاکم نعمان بن بشیرؓ کو نرم خو پاکر ان کو ہٹا کر خود یزید نے عبداللہ بن زیاد جیسے ظالم کو حاکم بنا کر کوفہ روانہ کر کے اپنا مطلب نکال لیا۔ جب مطلب نکل گیا تو ابنِ زیاد پر لعنت بھیج کر خود بری الذمہ ہونے کی اداکاری کرنے لگا۔ یہ ایک درسِ عبرت ہے کہ حاکمِ بد کی خوشنودی کے لئے جو اپنے سر پہ گناہ مول لیتے ہیں وہ دنیا میں بھی ذلیل آخرت میں بھی حاکم کے ساتھ جہنم میں ایک ساتھ آگ کے شعلوں میں رہتے ہیں۔

امام حسینؓ کی شہادت کے بعد یزید کو بحالتِ عذاب دو ڈھائی سال حکومت کرنی نصیب ہوئی کہ موت کے فرشتہ نے نگل لیا۔ یزید کا بڑا بیٹا حالات دیکھ کر تخت سے دست بردار ہوگیا چند ماہ بعد مر گیا یا کہتے ہیں زہر دے دیا گیا تھا۔ دوسرا بیٹا بوجہ کم سنی تخت پر بیٹھانے سے محروم کر دیا گیا۔ اور ابوسفیان کا خاندان ہمیشہ کے لئے تخت و تاج سے محروم ہوگیا۔ اور خونِ حسینؓ دامن پر لئے جہنم کے شعلوں کی تیزی قاتلانِ حسینؓ کا مقدر بن گئی۔